علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

اپنی

ہشت پہلو شخصیت کے خدوخال اور اپنے
آثار علمیہ کے آئینہ شفاف میں

مولانا عبدالرشید بستوی القاسمی

معہد الانور
علامہ انور شاہ روڈ عقب عیدگاہ، دیوبند (یوپی)

حسین کوئی کہاں ہوا ایسا مناسب جس کے تمام اعضاء
اسی کے عارض جوابِ عارض، اسی کے گیسو جوابِ گیسو

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

اپنی

ہشت پہلو شخصیت کے خد و خال اور اپنے آثار علمیہ کے آئینہ شفاف میں

از

مولانا عبد الرشید بستوی القاسمی

معہد الانور علامہ انور شاہ روڈ
عقب عیدگاہ دیوبند، یوپی

تفصیلات

نام کتاب : ''علامہ انور شاہ کشمیری'' اپنی ہشت پہلو شخصیت کے خدوخال اور اپنے آثار علمیہ کے شفاف آئینہ میں

مرتب : مولانا عبدالرشید بستوی القاسمی

سن اشاعت : رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

باہتمام : مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

ناشر : معہد الانور علامہ انور شاہ روڈ، عقب عیدگاہ دیوبند ۲۴۷۵۵۴

صفحات : ۲۰۰ (دوسو)

قیمت : ....

کمپیوٹر کتابت : الفضل کمپیوٹرس امیر منزل دیوبند، موبائل: 09412525824

ملنے کا پتہ

سنابل کتاب گھر

نزد چھتہ مسجد دیوبند، یوپی ۲۴۷۵۵۴

Tel:-01336 310545

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

باب پنجم

باب ششم

عنوان	صفحہ

باب ہفتم

باب ہشتم

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

حضرت علامہ کشمیریؒ کا علمی مقام

عنوان	صفحہ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ میرے مطالعات اور مشاہدات

حضرت علامہ کشمیریؒ کا الوداعی خطاب

”دریا بہ کوزہ“

حضرت اقدس مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری مدظلہ

مقبولیت و مردودیت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ خدا جانے کتنے باکمال گم نام ہو گئے کہ مقبول عند اللہ نہ تھے۔ ردو قبول کے پیمانے دنیا نے اپنے ہاتھ میں لیے تو مقبول بنانے کی کوشش بھی بے سود، ردّ کرنے کی جدو جہد بھی بے کار۔ حضرت تھانویؒ کے آثارِ علمی کو دوسروں نے ہی نہیں، اپنوں نے بھی روکنے کی کوششیں کیں، تانے بانے بنے، اسکیمیں بنائیں۔ لیکن مارکیٹ حضرت مرحوم کی تالیفات قیمہ سے لبریزہ نت نئے انداز، نئے لباس، نئی پوشاک میں روزانہ مہیا۔ علامہ کشمیریؒ ان ہی خوش نصیب رجال امت میں ہیں جن کے بحرِ علم میں باڑھ لگائی گئی، پشتے باندھے گئے۔ لیکن یہ طوفان نوح کی طرح بڑھتا ہی گیا، ان کی شخصیت کو بے فروغ کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ لیکن یہ آفتاب نیم روز ہو کر چمکی، بلکہ جس کی آب و تاب روز افزوں ہے۔ خدا جانے کتنا آپ پر لکھا گیا، کتنی یونیورسٹیوں سے پی ایچ ڈی کے مقالات کی تیاری ہوئی؟

معہد الانور کے نامی گرامی استاذ و ناظم امورِ تعلیم و تربیت مولانا عبد الرشید القاسمی سلمہ اللہ نے گران مایہ شاہ کار تیار کیا، جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت مفید ہے، گویا کہ ”دریا بہ کوزہ“ اس لیے معہد الانور نے اپنی مطبوعات میں اسے شریک کر کے اس کی طباعت کے اہتمام کو سعادت باور کیا۔ تو لیجئے پڑھیے اور سر دھنیے! اور جواں قلم کے ”تازہ قلم“ کی داد دیجیے!

اس مجموعے کے آخر میں شہیدِ علم و تحقیق الرحوم مولانا احمد رضا بجنوریؒ نیز شہ سوارِ ادب و انشاء المغفور مولانا حامد الانصاری غازیؒ کا کشمیری الامام پر وقیع مقالہ اور الکشمیری کا الوداعی پیغام بھی شامل ہے۔ اس طرح اس کتاب کی قیمت دو چند اور لطف دو آتشہ ہیں، بلکہ سہ آتشہ ہو گیا ہے۔

وانا الاحقر الافقر
انظر شاہ مسعودی کشمیری، ۱۲/۱/۱۴۲۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ سخن

دادے ابا حضرت علامہ کشمیریؒ کی ہشت پہلو شخصیت، ان کے علوم وافکار، ان کی تحقیقات وتفردات، ان کی تصنیفات و افادات، ان کے زہد واستغناء، صلاح وتقویٰ، حیرت انگیز قوتِ حافظہ اور ہمہ وقت انہاک علم، ان کی درسی خصوصیات و امتیازات پر اب تک بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، ان سے براہ راست فیض یافتہ تلامذہ کے قلم سے بھی اور اس سعادت سے محروم دوسرے اربابِ علم وفضل کی جانب سے بھی۔

جتنا کچھ لکھا گیا ہے کہنا چاہیے کہ جو کچھ ابھی تک منظرِ عام پر نہ آسکا، اس سے خاصا کم ہے۔ معہد الانور دیوبند کے قیام کا بنیادی مقصد، دادے ابا مرحوم کی شخصیت کے انہی مخفی گوشوں، ان کے علوم، ان کے غیر مطبوعہ افادات اور ان کے نقوش حیات کو بہتر ترتیب وتحقیق کے ساتھ اردو، وعربی سمیت بعض دیگر زبانوں میں شائع کرنا ہے۔

مقام مسرت ہے کہ برادر مکرم مولانا عبدالرشید بستوی ناظم امور تعلیم وتربیت معہد الانور نے دادے ابا رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات، تحقیقات وتفردات، معانی وافادات، تصنیفات وتالیفات، درسِ حدیث کی خصوصیات وامتیازات پر نہایت فاضلانہ مقالہ مرتب کیا اور نہایت عرق ریزی، محنت وجاں فشانی کے ساتھ، برادر محترم کا خود اپنا ذوق بھی تحقیقی ہے۔ ان کے اس ذوق کی جمال آفرینی اس مقالے کی ہر ہر سطر میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ ہر بات مدلل، ہر بحث مبرہن اور مکمل۔

معہد الانور برادر محترم کے اس ضخیم مقالے کی کتابی شکل میں اشاعت پر مسرت محسوس کر رہا ہے اور دعاء گو ہے کہ حق تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ مولانا موصوف کی عمر دراز فرمائے اور انھیں دین وعلم کی بیش از بیش خدمات کے لئے قبول فرمائے۔ آمین

ابتداء میں مولانا موصوف کا تحقیقی مقالہ ہے، اس کے بعد مشہور عالم، محقق، محدث حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوریؒ، پھر ادیب و مؤرخ جناب حضرت مولانا حامد الانصاری صاحب غازیؒ کے دادے ابا پر علمی و قیع مقالہ اور آخر میں دادے ابا کا الوداعی پیغام؛ حضرت والد صاحب گرامی قدر کی تشریح کے ساتھ شریک اشاعت کیا جا رہا ہے۔

کشمیر سمینار جو حکومت کشمیر کے محکمۂ اوقاف کی طرف سے اکتوبر ۱۹۷۷ء میں منعقد ہوا، ایک علمی اور تحقیقی اعتبار سے عظیم الشان تقریب تو تھی ہی، اس لحاظ سے بھی یہ ایک بے مثال اجتماع تھا کہ فخر المحدثین علامۃ العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تمام تلامذہ: حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مفکر ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، مولانا حامد الانصاری غازیؒ، مولانا قاضی زین العابدین میرٹھیؒ، مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ وغیرہم (اپنے مقالہ کی شکل میں) اپنے محاسن علمی اور مکارم شخصی کے ساتھ اس اجتماع میں تشریف فرما تھے اور اپنے استاذ گرامی حضرت علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق انھوں نے قیمتی اور عالمانہ مضامین اربابِ علم وفکر کے سامنے پیش فرمائے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس نوع اور اس افادیت کا کوئی سمینار اس سے پہلے نہیں ہوا اور آئندہ ایسا سمینار بلانے کے لئے بڑے اہتمام کی ضرورت پیش آئے گی۔ علمائے عصر کا یہ خلاصہ اور عصارہ اس موقع پر اپنے علم وفضل کی بلندیوں کے ساتھ شریک اجتماع تھا کہ پیر پنجال کے لمبے چوڑے پہاڑ کی چوٹیاں ان سے نیچے نظر آ رہی تھیں۔

اس اجتماع کے لئے تائے ابا مرحوم مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب کی خاص فرمائش پر مکرم ومحترم جناب مولانا حامد الانصاری غازیؒ نے حضرت علامہ کے متعلق جو محققانہ، عاشقانہ اور والہانہ مضمون تحریر فرمایا تھا وہ ان کی ادبی اور صحافتی زندگی کا شاہ کار اور ان کے وسیع مطالعہ، علمی استحضار، بے تکلف اندازِ بیان اور دل کش طرز تحریر کا ایک ایسا نمونہ تھا، جسے علم وادب کے شائقین ہمیشہ اپنے پاس محفوظ رکھیں گے۔ عجیب اتفاق

ہے کہ یہ قیمتی مقالہ متعدد اخبارات و رسائل کی بار بار کی فرمائش کے باوجود ابھی تک معرض اشاعت میں نہ آسکا تھا۔

باعثِ مسرت ہے کہ حضرت مولانا احمد رضا صاحب مؤلف انوار الباری شرح اُردو بخاری کا وہ تحقیق مقالہ بھی، اسی مجموعے میں شامل ہے، جو اَب تک مخطوطہ کی شکل میں ہمارے ذخیرۂ کتب مین محفوظ رہا۔

معہد الانور کی سعادتوں میں ایک اور اضافہ ہورہا ہے کہ وہ اس وقیع مقالے کی طباعت کا نظم کررہا ہے۔ یہ قیمتی مقالہ بلاشبہ تائے ابا مرحوم کی جدو جہد اوران ہی کی بھاگ دوڑ کے نتیجہ میں حاصل ہوا تھا۔ حق تعالیٰ ان کی مغفرت کاملہ اور درجات بلند فرمائے آمین۔

سیّد احمد خضر شاہ مسعودی

معتمد معہد الانور دیوبند

۱۲ر محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

کلماتِ مرتب

زیرِ نظر مجموعے کی تقریب ترتیب کچھ اس طرح ہے۔ اب سے عرصہ تین چار سال پہلے ''اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی'' کی جانب سے حضرت والا شاہ صاحب زید مجدہم کے نام ایک خط آیا، جس میں ان سے درخواست کی گئی تھی کہ اپنے والد بزرگ وار حضرت علامہ کشمیریؒ کی حیات و خدمات پر ایک وقیع اور بسیط مقالہ اکیڈمی کو مطلوب ہے۔ حسبِ تصریح اکیڈمی کا ارادہ گزشتہ صدی کی ایک سو ممتاز علمی، دینی، سیاسی و سماجی، نیز اولی شخصیات پر ایک دستاویزی کتاب شائع کرنے کا تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے حکم پر احقر نے یہ مقالہ مرتب کیا، جو بسیط تو کسی قدر ضرور تھا مگر وقیع ہرگز نہ تھا، مگر بدقسمتی سے اسی دوران کارگل کی جنگ ہوگئی جس کے سبب بہت سی کانفرنسیں، سیمینار اور دیگر پروگرام دو ایک سالوں کے لیے ملتوی یا بالکل منسوخ کر دیے گئے۔ پھر یہ ہوا کہ ۲۰۰۲ء میں اکیڈمی کے روح رواں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ہی راہی ملک بقا ہوگئے، اس طرح یہ منصوبہ بھی دیگر بہت سے اہم پروگراموں اور منصوبوں کی مانند دم توڑ بیٹھا۔

حالیہ دنوں میں حضرت شاہ صاحب کی رائے ہوئی کہ یہ مقالہ چوں کہ خاصا بسیط، نیز حوالہ جات سے مزین ہے، لہٰذا کیوں نہ اسے مستقل طور پر کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے، اس طرح ایک تحریر منظر عام پر آجائے گی اور حضرت علامہ کشمیریؒ سے شغف و عقیدت رکھنے والوں کے لیے سامانِ راحت قلب و جان بھی ہو جائے گا۔

احقر نے اس کی ترتیب میں جو بات خاص طور پر ملحوظ رکھی ہے، وہ یہ کہ ہر بات مدلل ہو، کوئی بات بغیر حوالہ اور سند کے نہ کہی جائے اور وہ بھی معتبر و مستند کتابوں، نیز

حضرت علامہ کشمیریؒ کے تلامذہ کے حوالوں سے۔ اپنی حد تک کوشش میں کوئی کمی نہ چھوڑی گئی ہے، بہ ایں ہمہ غلطی بلکہ اغلاط کا رہ جانا بعید از قیاس نہیں، اس لیے اربابِ علم اگر کسی غلطی پر مطلع ہو تو احقر کو براہِ راست باخبر کریں، تا کہ آئندہ اصلاح کی جا سکے۔

اس تحریر کی اشاعت پر احقر حضرت شاہ صاحب زید مجدہم، نیز برادر مکرم جناب مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی/ معتمد معہد الانور دیوبند کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے اس ہیچ میچ کی احقر کی اس حقیر کاوش کی نہ صرف تحسین فرمائی، بلکہ اس کی اشاعت کر کے، اسے لازوال بنانے کا بھی کرم کیا۔ حق تعالیٰ ان کے سایوں کو صحت و عافیت کے ساتھ تا دیر قائم کر رکھے اور معہد الانور کو دین و علم کی خدمت کے لیے تا قیامت قبول فرمائے۔ آمین!

عبدالرشید بستوی

۱۴۲۶/۱/۱۰ھ

خاندان، وطن، ماحول اور سیاسی وسماجی حالات

حضرت علامہ سید انور شاہ الکشمیری نے دنیائے آب وگل میں ۲۷ر شوال ۱۲۹۲ھ-۱۷ر اکتوبر ۱۸۷۵ء میں قدم رکھا۔ یہاں اس گوشے پر تفصیل سے کچھ گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کی پیدائش سے صرف ۱۸ر اٹھارہ سال پہلے ۱۸۵۷ء میں، انگریزی اقتدار کے خلاف پورے ملک میں علم جہاد بلند کیا گیا تھا۔ لیکن غلام ہندوستان کی قسمت میں ابھی اور کچھ برسوں تک، غلامی کی آہنی زنجیروں میں جکڑا رہ کر سسکنے اور کراہنے کے دردناک عذاب سے گذرنا مقدر تھا۔ جذبۂ جہاد وحریت سے سرشار سر بہ کف مجاہدین کا سیلاب، طوفان کی طرح انگریزی سامراج کے ایوانوں تک پہنچا، مگر آوارہ موجوں کی مانند ساحل سے ٹکرا کر واپس ہو گیا۔

غلام ہندوستان کی تاریخ میں ۵۷ء کا جہادِ حریت اپنی نوعیت کی منفرد اور کل ہند پیمانے کی پہلی اور غالباً آخری مسلح جدوجہد تھی۔ اس انقلابی جدوجہد یا بغاوت کی ناکامی اپنے ساتھ بہت سی بلائیں اور آفتیں لے کر آئی۔ بغاوت میں شریک مجاہدین کو ملک کے طول وعرض میں کھلے عام تختۂ دار پر چڑھا دیا گیا، مجاہدین سے تعاون وہمدردی کی پاداش میں ہزاروں بے قصور لوگ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیے گئے، نہ جانے کتنے قائدین ومجاہدین کو کالا پانی بھیج دیا گیا، کتنی جائدادیں بہ حق سرکار ضبط کر کے ان کے مالکان کو نانِ شبینہ کے لیے محتاج بنا دیا گیا اور نہ جانے کتنی آباد بستیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ ان عبرت ناک والم ناک مظالم اور سزاؤں نے کچھ عرصے کے لیے باشندگان وطن کے دل ودماغ سے آزادی کا تصور تک نکال دیا، مگر یہ خوف ودہشت بہت دنوں تک انھیں جدوجہدِ آزادی سے نہ روک سکا، بلکہ نئے ولولے، نئے جوش اور جذبے کے ساتھ آزادی کے متوالوں نے استخلاصِ وطن کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس عرصے میں بہت سے نشیب وفراز دیکھنے میں آئے، مگر آزادیٔ وطن کا قافلہ اپنی منزل کی

طرف رواں دواں رہا۔ بالآخر اس کے کوئی نوے ۹۰ سال بعد ۱۹۴۷ء میں انگریز جہاں سے آئے تھے، وہیں جانے پر مجبور ہو گئے اور ملک آزاد ہو گیا۔

کشمیر کا سیاسی منظر نامہ

کشمیر کی صورتِ حال، ملک کے دیگر حصوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ پُر آشوب، خراب اور تباہ کن تھی۔ معروف محقق عبدالرحمٰن کوندو، الکشمیری کی پیدائش کے وقت کشمیر کی بدترین صورتِ حال کی منظر کشی یوں کرتے ہیں:

''حضرت محدث کشمیری مولانا انور شاہ صاحب انیسویں صدی عیسوی کی چوتھی چوتھائی کی ابتداء یعنی ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ اس انیسویں صدی کا قریباً سارا زمانہ کشمیری عوام کے لیے ظلم وتشدد، قحط و وباء اور بدترین سیاسی انقلابات کے بے پناہ طوفان سے گزرنے کا زمانہ تھا''۔(۱)

یہ کشمیر پر کابل وقندھار کے اقتدار کا دور تھا۔ پٹھانوں کی اقتدار کے لیے باہمی کشاکش اور برادر کشی کے سبب کمزور پڑتی ہوئی طاقت، سکھوں کی ابھرتی ہوئی فوج کے سامنے نہ ٹھہر سکی اور کشمیر ظالم پٹھانوں کے چنگل سے نکل کر، ظالم ترین سکھوں کے پنجۂ استبداد میں کس گیا۔ اور پھر یہ ہوا کہ:

''لاقانونیت اور دہشت گردی کے اس دور میں کشمیر کے اکثر دینی مدارس اور ہر قسم کی تعلیم کے دوسرے ادارے، جو صدیوں سے چلے آرہے تھے، ہمیشہ کے لیے بند ہو گئے''۔(۲)

اس کے بعد کیا ہوا۔ سکھ حکومت ہی کے ایک رکن رام گلاب سنگھ کے ہاتھوں، انگریزوں نے محض پچھتّر لاکھ کی معمولی رقم کے عوض، پوری ریاست کشمیر، مع تمام تر زمین وجائے داد، باغات وجنگلات، پہاڑوں ودرّوں، آبشاروں وندیوں اور انسانوں کے

(۱) الانور، ص:۱۴۰، تاریخ کشمیر کا دورِ ظلمت۔ (۲) ایضاً، ص:۱۶۔

ہمیشہ کے لیے فروخت کردی۔ اس کے ساتھ ہی ڈوگرہ راج اپنی تمام تر قہرمانیوں اور ستم شعاریوں کے ساتھ اہل کشمیر پر مسلط ہوگیا۔ اس ڈوگرہ راج کے ابتدائی دور میں کشمیر کے مسلم عوام کی قسمت میں سیاسی غلامی، بے بسی، محکومیت اور مظلومیت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

ڈوگرہ اقتدار ایک صدی سے بھی زیادہ عرصہ تک بلاشرکتِ غیرے، کشمیری عوام کی قسمت کے تیئں ہر سیاہ وسفید فیصلے کا مالک بنا رہا۔ اس حکومت نے کشمیر اور اہل کشمیر کو تحفے میں کیا کیا سوغاتیں دیں، ان کی داستان بڑی دل دوز اور اندوہ ناک ہے۔ مختصراً سنیے! قحط سالی، تنگ دستی، بھوک مری، خانہ بدوشی، غلامی و بے بسی، حکومتی غارت گری، سرکاری بربریت، جلتے ہوئے مکانات، خاکستر شدہ باغات، مہلک بیماریاں، تباہ کن زلزلے اور سیلاب، بلکتی ہوئی ممتا، تڑپتی ہوئی شیر خوارگی، بھوکے پیاسے انسانوں کے ریوڑ، جہالت و ناخواندگی، پس ماندگی، محرومیت، مایوسی، گھٹا ٹوپ تاریکی اور ان سب سے بڑھ کر شوقِ جنوں اور ذوقِ جستجو کی بربادی ونابودی۔ سنیے ایک انگریز کی زبانی:

> "۱۸۸۹ء میں پہلی دفعہ جب میں کشمیر آیا تو یہاں کے لوگوں کو میں نے مایوس، ناامید اور ہر ایک پر شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہوئے پایا۔ سالہا سال سے انھیں (عملاً) یہی ذہن نشیں کرادیا گیا تھا کہ وہ محض غلام بے دام ہیں، جن کا کوئی حق نہیں"۔(۱)

لارنس نے اپنے یہ تاثرات ۱۸۹۵ء میں شائع شدہ اپنی کتاب میں ظاہر کیے تھے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ اس کے تیس بتیس سال بعد کا کشمیر کس حال میں ہے؟ سر بنرجی کی شہادت سنیے!

> "ریاست جموں وکشمیر کے عوام، قسم قسم کی محرومیوں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اس ریاست میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، جو بالکل ناخواندہ ہیں اور مختلف مصائب کا شکار ہیں۔ وہ غربت وافلاس کے پنجے میں

(۱) الانور: ص: ۲۷، سر لارنس کے تاثرات۔

گرفتار ہیں اور ان کی معاشی حالت بہت ہی پست ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر دیہات میں رہتے ہیں۔ (ان پر مہذب طریقے سے حکومت نہیں کی جاتی) بلکہ عملاً انھیں چوپاؤں کی طرح ہانکا جاتا ہے"۔(۱)

دینی اور تعلیمی صورتِ حال

جہاں انسانوں کو چوپایوں سے زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو، جہاں لوگ سرکاری ظلم وبربریت کے سبب بیگار کرنے پر مجبور ہوں، بھوک اور پیاس سے نڈھال ہوں اور زندگی کے تمام حقوق سے محروم کردیے گئے ہوں، وہاں کی تعلیمی حالت کیسی ہوگی اور جہالت اور اس کے اندھیرے کتنے گہرے اور گھنے ہوں گے، اس کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔ کشمیر کا تقریباً ڈیڑھ صدی ۱۸۰۰ء تا ۱۹۴۸ء پر مشتمل دور انہی ہول ناکیوں کا گہوارہ رہا ہے۔ جو تعلیمی ادارے بیش تر مذہبی تعلیم کے لیے پرانے زمانے سے قائم تھے، وہ تو تباہ وبرباد کردیے گئے اور آیندہ علم کی روشنی سے محروم رکھنے کے لیے ہر قسم کے مظالم روا رکھے گئے۔

تعلیمی واقتصادی پس ماندگی اور سیاسی وسماجی محرومی کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر کے سادہ لوح مسلم عوام چند رسوم وخرافات کے ارد گرد، دین کا لازمی عنصر سمجھ کر گردش کرنے لگے۔ زر پرست پیروں اور دنیادار مشائخ نے کریلا نیم چڑھا کا کام کیا۔ وہ انھیں دین کے نام پر طرح طرح کے اوہام وتصوراتِ باطلہ میں مبتلا کرکے اپنی دوکان چمکاتے اور عیش وآسائش کے اسباب فراہم کرتے۔ اس غلط روش کو اس سے تقویت ملی کہ کشمیر کی زمین، زمانۂ قدیم سے ہی رشیوں اور منیوں، اولیائے کرام اور بزرگوں کا گہوارہ ومرکز رہی ہے۔ چناں چہ سید میر قاسم سابق وزیر اعلیٰ ریاست جموں وکشمیر لکھتے ہیں:

"سرزمین کشمیر کو اپنی جن خصوصیات پر فخر ہے، ان میں قدرت اور فطرت

---

(۱) الانور: ص: ۲۸، سر بنرجی کی شہادت۔

کے عطیات بھی ہیں اور اس وادی کے فرزندوں کے ذہنی، علمی اور روحانی کمالات بھی۔ قدیم الایام سے کشمیر کو خدادوست رشیوں اور منیوں کی جائے پناہ کی حیثیت حاصل رہی ہے''۔(۱)

۱۳۲۵ء-۷۲۵ھ میں درویش خدامست سید عبدالرحمٰن شرف الدین بلبل شاہؒ کے دستِ حق پرست پر، اس وقت کے ہندو راجہ کشمیر نے اسلام قبول کر کے، اشاعتِ اسلام کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔ اور پھر کشمیر کا دروازہ عالم اسلام کی روحانی ہستیوں، علماء، فضلاء و اولیاء اور مشائخ طریقت کے لیے کھل گیا۔ نتیجتاً ایران، ترکستان، خراسان، کوفہ، بصرہ، بغداد اور بخارا و سمرقند وغیرہ ممالک اسلام سے، علمائے دین، اولیائے کاملین اور درویشانِ نیک طینت سیکڑوں کی تعداد میں کشمیر آنے لگے۔ انہی مقبولانِ بندگانِ خدا میں الکشمیری کے اجداد و اسلاف بھی تھے۔

شاہ صاحب کا خاندان

چناں چہ علامہ کشمیری رقم طراز ہیں:

''وفي المكتوبات الخطية عن خلف الشيخ أن سلفه جاءوا من بغداد إلى الهند، ودخلوا ملتان، ثم ارتحلوا إلى بلدة لاهور، ثم إلى الكشمير، والله اعلم''(۲)

''شیخ مسعود حنفی کے جانشین کی دستی تحریروں میں تصریح ہے کہ ان کے اسلاف بغداد سے ہندوستان آئے، پہلے ملتان پہنچے، وہاں سے لاہور اور لاہور سے کشمیر آئے''۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کے صلبی و علمی وارث و امین: حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری رقم طراز ہیں:

(۱) الانور، ص:۴۹۶، حضرت شاہ صاحب آئینہ کمالات صالحین کشمیر۔

(۲) نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین، ص:۱۴۵، ط: مجلس علمی ڈابھیل، جید برقی پریس، دہلی۔

''حضرت شاہ صاحب مرحوم کے آباءواجداد دو سو سال قبل بغداد سے ہندوستان پہنچے اور مختلف مقامات پر قیام کرنے کے بعد کشمیر میں سکونت اختیار کی''۔(۱)

شاہ صاحب کا شجرۂ نسب بہت حد تک محفوظ اور دستاویزی شکل میں موجود ہے۔لیکن الکشمیریؒ نے جہاں بھی اپنا سلسلۂ نسب ذکر کیا ہے،صرف دسویں پشت شیخ مسعود حنفی تک ہی نقل کیا۔اس طرح یہ بتانا چاہا ہے کہ شیخ مسعود تک نسب بالکل حتمی اور یقینی اور کسی بھی آمیزش سے پاک ہے، جو درج ذیل ہے:

''محمد انور شاہ، بن مولانا محمد معظم شاہ، بن شاہ عبدالکبیر، بن شاہ عبدالخالق، بن شاہ محمد اکبر، بن شاہ حیدر، بن شاہ محمد عارف، بن شاہ علی، بن شاہ عبداللہ، بن الشیخ مسعود نروری الکشمیری الحنفی''(۲)

ایں خانہ ہم آفتاب ست

آپ کے اسلاف واجداد میں نیک طینت بندگانِ خدا کی طویل سنہری کڑی ہے اور ان میں سے بیش تر معروف شخصیات ہیں۔چناں چہ''الانور'' کے فاضل مؤلف لکھتے ہیں:

''حضرت شیخ مسعود نروری (وفات تقریباً ۱۰۰۸ھ ہے) سے حضرت شاہ صاحبؒ تک جن اشخاص کا نام آتا ہے، ان میں سے اکثر مشہور ومعروف اور تاریخی ہستیاں ہیں''۔(۳)

جب کہ نقش دوام کے لائق صدر احترام مصنف رقم طراز ہیں:

''آپ کا پورا سلسلہ اولیاءاللہ اور کاملین سے سرفراز ہے۔خصوصاً شاہ فتح اللہ اور شاہ مسعود نروری: ہر دو کے مزارات کشمیر میں مرجع خاص وعام ہیں''۔(۴)

(۱) نقش دوام، ص:۲۵،شجرۂ نسب

(۲) نیل الفرقدین، ص:۱۴۵،اور کشف الستر عن صلاۃ الوتر، ص:۹۸، ط: مجلس علمی ڈابھیل، محبوب المطابع برقی پریس، دہلی ۱۳۵۲ھ۔

(۳) الانور، ص:۳۵،حضرت شاہ صاحب کا سلسلۂ نسب۔

(۴) نقش دوام، ص:۲۵۔

یہی نہیں بلکہ چار سو سال پر حاوی شجرۂ نسب تو روایات متواترہ سے ثابت ہے۔ اس چار سو سالہ تاریخ میں کیسی کیسی نام ور شخصیات گزریں، ان پر روشنی ڈالنے کا یہاں موقع نہیں ہے اور نہ ہی تاریخ میں ان سب کی بابت کچھ زیادہ معلومات دست یاب ہیں۔ ہاں اس سلسلۂ نسب کے درشاہ وار شیخ مسعود نروری کی بابت کتبِ تاریخ متفق ہیں کہ یہ نہایت متمول، خوش حال اور کشمیر کے بڑے تاجر تھے، کاروبار کی وسعت کے باعث ان کو ''ملک التجار'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ بعد میں سید کرمانی رئیس الاولیاء کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور پھر سلوک و معرفت میں اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے۔ میر سید کرمانی نے نہ صرف انھیں خلافت واجازت سے سرفراز کیا، بلکہ کچھ تبرکات بھی دیے اور ساتھ ہی ایک تحریر جس میں تصریح تھی:

''یہ تبرکات میرے بزرگوں سے حاصل ہوئے ہیں اور اب میں انھیں شیخ مسعود نروری کے سپرد کرتا ہوں''۔(۱)

کوندو صاحب لکھتے ہیں:

''دسویں صدی ہجری کے مشائخ کشمیر میں سے حضرت شیخ مسعود نروری اپنے معاصرین میں مراتبِ عالیہ پر فائز تھے اور کیا بہ لحاظ دولت و ثروتِ ظاہری اور کیا بہ لحاظ علم و عمل اور تقویٰ و طہارت باطنی، اپنے زمانے کے عوام تک آپ کی فیض رسانی کی نہریں جاری تھیں۔ آپ کے مرشد حضرت میر سید احمد کرمانی اور آپ کے ہم عصر اولیاء، حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ، حضرت جامع الکمالات علامہ شیخ یعقوب صرفی محدث، حضرت مخدوم احمد قاری، حضرت مولانا بابا داؤد احمد خاکی اور حضرت سید محمد مسافر وغیرہ آپ کے علوِ مرتبت کے معترف تھے اور اس کے بعد کی تمام کشمیری تاریخیں آپ کے مناقب میں رطب اللسان ہیں''۔(۲)

تاہم شیخ مسعود نروری کی تاریخ پیدائش کی بابت حتمی طور پر کچھ معلوم نہیں، غالباً

(۱) نقش دوام، ص: ۲۵۔ (۲) الانور، ص: ۳۷، ۳۸، مزید تفصیلات تتمہ میں۔

دسویں صدی ہجری کے ربع اوّل میں پیدائش ہوئی۔آپ کے والد جنید شاہ اور دادا قاسم میمون تھے اور یہ دونوں ہی اپنے وقت کی مقتدر دینی شخصیات شمار ہوتی تھیں۔

آپ کی چار اولاد نرینہ ہوئی: شیخ بابا حاجی، شیخ بابا ابراہیم، بابا یحیٰی اور بابا یوسف۔بابا حاجی کے فرزند بابا مجنون نروری ہیں۔ آپ باکمال عالم ہونے کے ساتھ ماہر ونباض طبیب بھی تھے۔علاوہ ازیں کشمیر میں آپ طبِ یونانی کے بانی اور معلم اوّل تھے۔تین ساڑھے تین سو برس تک کشمیر میں علاج کا دارومدار، طبِ یونانی پر رہا، یہ سب بابا مجنون کے احسانات ہیں۔وفات ۱۰۸۸ھ میں ہوئی۔ان کا مزار نروره، سری نگر میں ''زیارت علَم صاحب'' کے شمال مشرق میں واقع ہے اور بالکل سادہ اور بے نشان ہے۔

مثال کے طور پر جد امجد شیخ مسعود نروری کے کسی قدر حالاتِ زندگی درج کیے گئے ہیں، ورنہ آپ کے اجداد میں تقریباً سارے اربابِ علم وفضل اور اصحابِ زہد و ورع گزرے ہیں۔(۱)

ایسے سنہرے اور قابلِ رشک خانوادے میں الکشمیر ی کی پیدائش ہوئی اور خاندانی برکات نے اپنا رنگ دکھایا۔الکشمیر ی بچپن سے ہی صلاح وورع کی جانب مائل ہو گئے؛ جیسا کہ آیندہ سطور میں اس پر کچھ روشنی ڈالی جائے گی۔آپ کا خاندان تقوی وطہارت باطنی کے ساتھ، علم وفضل کا بھی مرکز رہا ہے اور اس سے الکشمیر ی کو حصہ وافر ملا، جو آپ کے لیے طغرائے امتیاز بن گیا۔

شیخ مسعود نروری کی آیندہ نسلوں میں جن کو شہرت دوام ملی، ان کے اسماے گرامی درج ذیل ہیں:

حضرت بابا عبدالغفور متوفی ۱۱۰۵ھ، قاضی شاہ عبدالکبیر، متوفی ۱۲۶۰ھ، بابا نعمت اللہ صاحب، پیر شاہ محمد صالح متوفی تقریباً ۱۳۲۰ھ، پیر سیف اللہ شاہ دودہ ونی، مولوی سمندر شاہ فاضل دیوبند، پیر عبدالغفار شاہ، متوفی ۱۳۴۰ھ، پیر احمد شاہ متوفی ۱۹۶۵ء، مولانا غلام مصطفیٰ مسعودی متوفی ۱۹۴۹ء، مولانا محمد سعید مسعودی اور علامہ انور شاہ کشمیری۔

(۱) شیخ مسعود نروری اور دیگر خاندانی تفصیلات کے لیے دیکھیں: الانور، ص: ۶۸۹، تا ۷۱۰۔

ولادت سے وفات تک

محدث عصر حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز کی پیدائش ۲۷؍شوال ۱۲۹۲ھ۔ ۱٦ یا ۱۷؍اکتوبر ۱۸۷۵ء کو بہ روز شنبہ بہ وقت سحر، ان کے ننھیال: موضع ''دودوان'' وادیٔ لولاب، کشمیر میں ہوئی (۱)۔ موضع دودوان، کپواڑہ شہر سے قریب واقع ہے، بلکہ اب تو کپواڑہ سے اس گاؤں کی آبادی بالکل مل گئی ہے۔

پرورش ایسی ماں کی گود میں ہوئی جو مشہور عالم دین، مصنف اور ناقد: حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے بہ قول ''کانت یتیمة دهرها فی الورع والزهد والعبادة'' (۲) ورع واتقاء، زہد وتقشّف اور عبادت وریاضت میں اپنے زمانے میں طاق تھیں۔ آپ کی والدہ زمانہ طفولیت سے ہی صوم وصلوٰۃ اور تلاوت قرآن مجید سے والہانہ شغف رکھتی تھیں۔ خواتین کی مروج زیب وزینت سے ان کی بے نیازی ضرب المثل تھی۔ اس پارسا اور نیک باز خاتون میں حضرت رابعہ بصریہ کے اوصاف نمایاں تھے۔ (۳) اور کیوں نہ ہوتے کہ ان کے خدادوست والد: پیر سیف اللہ شاہ صاحب نے اپنی اس دختر نیک اختر کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ صرف کی تھی۔ (۴)

جب کہ حضرت علامہ کی ذہنی ساخت وپرداخت اور جسمانی تربیت اور پرورش، ایسے نیک نہاد والد بزرگ وار کے زیر سایہ ہوئی، جو نہ صرف اپنے علاقے کے ایک معروف شیخ، بلکہ خواص وعوام میں ایک مقبول شخصیت کے مالک تھے۔ (۵)

بلکہ حسب تصریح مولانا بنوریؒ ''الراشد المسترشد، العابد الزاهد، ملجأ

---

(۱) نفحة العنبر فی حیاة الإمام العبقری الشیخ الأنور، نشأته وحیاته الجمیلة، ص:۱، تالیف: حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، ط: بیت الحکمۃ، دیوبند، طبع سوم ذی قعدہ ۱۴۱۴ھ۔ الانور: ولادت باسعادت: ص: ۲۰، ط: ندوۃ المصنفین، دہلی، طبع دوم: فروری: ۱۹۷۸ء۔ کوندو صاحب نے تاریخ پیدائش ۱٦؍اکتوبر کی بہ جائے ۱۷؍اکتوبر لکھی ہے۔ اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ (۲) نفحۃ العنبر، ص:۲۔ (۳) الانور: ص: ۳۳، معظم، مال، انور۔
(۴) الانور ایضاً۔ (۵) نقش دوام: ولادت، طفولیت، آغاز تعلیم، ص: ۲۷۔

القوم فی النوائب، ملاذھم فی المھمات الدینیۃوالدنیویۃ'' بھی تھے۔(۱) اس طرح آپ کی پرورش اور طفولت کا ابتدائی دور، اپنے ماں باپ کی آغوش میں گذرا، جن سے زہد وقناعت، نیکی وطہارت کے اولین سبق ملے۔(۲)

تعلیم: قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک

جب آپ نے اپنی زندگی کے ابتدائی چار سال پورے کر لیے اور پانچویں سال میں قدم رکھا تو ''ٹھیک چار سال چار ماہ اور چار دن کی عمر میں بسم اللہ خوانی کی تقریب کے ساتھ آپ کو والد صاحب نے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا'' (۳) اپنی غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور اللہ رب العزت کے بے پایاں الطاف وعنایات کے باعث ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں نہ صرف ناظرہ قرآن کریم بلکہ اس وقت کے نصاب تعلیم میں شامل بعض فارسی رسائل وکتب: نام حق، کریما، پند نامہ اور شیخ عطار وغیرہ ختم کر لیں۔ فارسی زبان سے ابتدائی اور لازمی مناسبت ہو جانے کے بعد آپ نے اپنے والد بزرگ وار ہی سے فارسی زبان وادب کی ہر دو قسم: نثر ونظم اور اخلاقیات سے متعلق چند کتابیں، جن میں شیخ سعدی کی گلستاں، بوستاں کے علاوہ، نظامی، امیر خسرو دہلوی محقق جامی اور جلال الدین دوانی کی بعض کتب شامل تھیں، پڑھ لیں۔ اور فارسی زبان میں اتنی مہارت حاصل ہو گئی کہ آپ اپنے تمام ہم عصروں وہم عمروں سے فایق ہو گئے اور اپنے علاقے میں امتیازی وانفرادی صلاحیت کے حامل بن گئے۔ ابھی عمر کے دس سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ فارسی زبان میں نثر نگاری کے ساتھ شعر بھی کہنے لگے۔(۴)

---

(۱) نفحۃ العنبر: ص:۲۔ (۲) نقش دوام: ص:۲۷

(۳) الانور، شاہ صاحب کی ابتدائی تعلیم وتربیت: ص:۶۳۔

(۴) تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی: ۲/۲۰۱، مولانا محمد انور شاہ کشمیری، باب پنجم، صدر المدرسین، ط: دارالعلوم دیوبند، طبع دوم: ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳ء۔ نفحۃ العنبر: ص:۲۔ الانور: ص:۶۳۔

می تافت ستارۂ بلندی

فارسی زبان وادب کی تعلیم سے فراغت کے بعد،علوم عربیہ کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ان علوم کی ابتدائی کتابیں اولاً آپ نے اپنے والدمحترم سے،انہی کے حکم وایماء سے جناب مولانا غلام محمد رسونی صاحب سے پڑھیں۔اور عرصہ دوسال یا کچھ زیادہ مدت میں فقہ، اصول فقہ،نحو،صرف اور منطق کی کتب مروجہ سے فارغ ہوگئے۔شیخ سعدی شیرازی کے شعر:

بالائے سرش زہوش مندی ❁ می تافت ستارہ بلندی

یااردوزبان کی زبان زدمثل:ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، کے آپ ابتدائے عمر سے ہی مصداق تھے۔اور جس عمر میں عموماً نوخیز،نوآموز، نووارد،سیدھے سادے طلبہ درسی کتابوں کی دقیق وعمیق عبارتیں پڑھنے اور سمجھنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرتے اور شعوروادراک کی گرفت میں آجانے کواپنی طالب علمی کی معراج گردانتے ہیں،حضرت علامہ کشمیری کی فطری موشگافی اور فکر بلند پروازی اس پر قناعت کیوں کر کرنے دیتی۔چناں چہ خودان کے والد کا بیان ہے کہ:

''انورشاہ جب مختصرالقدوری مجھ سے پڑھ رہے تھے تو کبھی کبھی ایسے سوالات کرتے،جن کا جواب اہم فقہی کتابوں سے مراجعت کے بغیر ممکن نہیں تھا''۔(۱)

والدصاحب ہی کا مزید بیان ہے:

''ہر چند میں انھیں،ان موشگافیوں سے روک کرصرف کتاب کے متن کو قابو میں لانے کی تلقین کرتا تھا،لیکن محض اپنی کتاب کی عبارت کے مفہوم تک محدود ہوکر چلنا،ان کے بس کی بات نہ تھی''۔(۲)

ارشاد وتربیت یا پیری مریدی کی شبانہ روز مصروفیات کے پیش نظر،حضرت

---

(۱)نقش دوام،ص:۲۷۔ (۲)الانور،فطری موشگافی،ص:۶۴۔

علامہ کے شوق علم اور ان کی فطری ذہانت کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے، والد صاحب نے تعلیم کے لیے اپنے اس ہونہار فرزند کو ایک دوسرے متقی اور باصلاحیت عالم دوست کے سپرد کر دیا۔

"مگر انھیں بھی انور شاہ سے یہی شکایت رہی کہ وہ اپنے سبق کے اصل مسائل تو سرسری اشاروں سے ہی سمجھ لیتے ہیں اور اس کے بعد اندیشہ ہائے دور دراز کی دنیا میں پہنچ کر بعض اوقات اپنے سوالات سے معلم کو پریشان کر ڈالتے ہیں"۔(۱)

ہے جس کی ابتدا یہ...

لگے ہاتھوں مزید شہادتیں سنتے چلیے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ جس گلستان کی ابتدا، ایسی دل آویز وعطر بیز ہو، اس کی باد بہاری کی مشک ریزیاں کیسی ہوں گی؟ جنت نظیر کشمیر کے ایک معروف وممتاز خدارسیدہ، ولی صفت بزرگ اور عالم: ملا نظام الدین، شاہ صاحب کے گھر پر رونق افروز ہوئے۔ والد محترم نے اپنے دولڑکوں: یٰسین شاہ۔ جو ذکاوت وذہانت میں اپنے چھوٹے بھائی: انور شاہ ہی کی طرح تھے۔ اور انور شاہ کو ان کی خدمت میں قدم بوسی کی سعادت سے بہرہ ور ہونے اور ان کی نیک دعائیں لینے کے بھیجا۔ انھوں نے دونوں سے اسباق کے بارے میں دیر تک پوچھا، برجستہ جوابات سے بے حد مسرور ہوئے اور مولانا معظم صاحب سے چھوٹے لڑکے: انور شاہ کے بارے میں فرمایا:

"ان شاء اللہ یہ اپنے وقت کے ان علماء میں سے ہوں گے، جن سے دنیائے اسلام کو فیض پہنچے گا اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو فروغ ملے گا"۔(۲)

اسی تعلق سے کوندو صاحب نے ایک اور عارف صادق وعالم کبیر کی پیش گوئی کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہی کی عبارت میں سپرد قرطاس

(۱) الانور: ص: ۶۵۔ (۱) ایضاً: ص: ۶۶۔

کر دیا جائے۔ کوندو صاحب لکھتے ہیں:

''اسی طرح آپ کے عہد طفولیت کے زمانہ کا ایک اور واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت شاہ صاحب منطق اور نحو کے بعض ابتدائی رسائل مثلاً ایساغوجی، قال اقول، مرقات اور میزان منطق وغیرہ کا مطالعہ کر رہے تھے۔ اتفاقاً ایک بڑے عالم اس وقت کے، والد صاحب کے پاس ملاقات کے لیے آگئے۔ ان عالم صاحب نے شاہ صاحب کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھا تو حیران رہ گئے کہ ان کتابوں پر خود اس ننھے سے طالب علم (یعنی انور شاہ) نے نہایت برجستہ قسم کے حواشی لکھ رکھے تھے۔ اس نونہال کی یہ ذکاوت، تیزیٔ طبع اور فہم رسا کو دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ ''نظر بد دور! یہ بچہ تو اپنے وقت کا رازی اور اپنے زمانہ کا غزالی ہوگا''۔(۱)

ہزارہ کے مرکز علم میں

اگرچہ علامہ کشمیریؒ نے اس سطح تک تعلیم حاصل کرلی تھی، جو اس دور کے خاندانی پیرزادوں کے معیار مطلوب پر پوری اترتی تھی، لیکن مستقبل میں آپ کے لیے جو بلندیاں، خاراشگافیاں اور علم وفضل کے دستور کہن میں جیسی انقلابی تبدیلیاں، مقدر تھیں، ان کے لیے آتش شوق کا تیز ہونا اور علم ومعرفت کے ناپیدا کنار سمندروں میں غوطہ زن ہونا ضروری تھا۔ دوسری طرف ۱۳۰۵ھ کا زمانہ، وادیٔ کشمیر کی ذہنی وفکری غلامی، علمی تہی دامنی اور علمی دانش گاہوں کی الم ناک حرماں نصیبی کا دور تھا اور جس خوش بخت کا جوش جنون آئین کہن پر اکتفانہ کرتے ہوئے، اپنے لیے خوب سے خوب تر کی تلاش کے لیے سرگرم عمل ہوتا، اسے عموماً کشمیر کی سرحد سے متصل، ہزارہ صوبہ سرحد پاکستان کی علمی درسگاہوں کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ اس لیے ۱۳ یا ۱۴ ربرس کی عمر میں حصول علم کے تئیں آپ کے جذبۂ بے پایاں

(۱) الانور، ص: ۶۶۔

نے ترک وطن پر مجبور کیا اور ہزارہ کی معروف زمانہ درس گاہوں کے، مسند نشین پختہ کار علمائے کرام کے چشمہ ہائے علم و معرفت سے سیر آب ہونے اور اپنی علمی تشنگی بجھانے کی راہ میں، شفیق ماں باپ نے بھی اپنی فرط محبت کو حائل نہ ہونے دیا۔(۱)

مزید تحصیل علم کے لیے ہزارہ کا انتخاب کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہزارہ کی سرحد، وادیٔ کشمیر بالخصوص ضلع مظفر آباد سے۔ جو کہ حضرت علامہ کشمیری کا دادھیالی ضلع تھا۔ ملحق تھی۔ نیز آپ کے کئی قریبی رشتہ دار جواں سال طلبہ وہاں پہلے سے زیر تعلیم تھے۔(۲) پھر ہزارہ اس وقت بہ قول مولانا بنوری ''محط لرجال مهرة العلوم الدراسية، والا ساتذة المتقنين، وحذاق الفنون المتدوالة''(۳) تھا، ''اصحاب علم کا مرکز اور پختہ کار علماء کا مستقر بنا ہوا تھا''(۴) جس کی قدرے تفصیل، کوندو کی زبان میں یہ ہے:

''ہزارہ کی دانش گاہوں میں سے قصبہ مانسہرہ، بفہ، خاکی، کوائی، بالاکوٹ، شنکھاری، داتہ، بانڈی، دھمتوڑ، کاکول، نواں شہر وغیرہ میں ایسی مشہور درس گاہیں قائم تھیں، جن کی اپنی اپنی خصوصیات تھیں، کہیں صرف ونحو کا چرچا تھا اور کہیں منطق وفلسفہ کا، کسی جگہ فقہ اور اصول کی شہرت تھی اور کسی جگہ تفسیر وحدیث کی''۔(۵)

یہ تھے وہ اسباب وعوامل جن کے باعث حضرت علامہ نے، ذوق علم کی تسکین کے لیے، پہلی بار وطن کی روح پرور بہاروں، وادیٔ لولاب کے مرغ زاروں، خوش نما وادیوں، گرتے ہوئے آبشاروں، دل فریب نظاروں اور دل کش سبزہ زاروں، نیز وطن اور اہل خاندان کی ان گنت حسین یادوں کو خیر باد کہتے ہوئے، گھر سے کسی قدر دور ''ہزارہ'' کا رخ کیا اور وہاں کی شہرت یافتہ درس گاہوں کے مایہ ناز اساتذہ ومشائخ سے عرصہ تین سال تک استفادہ کیا۔ اس عرصے میں مختلف علوم وفنون کی متوسط اور اعلی درجے کی جو کتابیں

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں: الانور، ص: ۶۵ تا ۷۲۔ (۲) ایضاً، ص: ۷۰-۷۱۔
(۳) نفحۃ العنبر، ص: ۲۔ (۴) نقش دوام، ص: ۲۷۔ (۵) الانور، ص: ۷۴۔

آپ نے پڑھیں، ان کے نام یہ ہیں: ''صرف میں مراح الارواح اور شافیہ، علم نحو میں ہدایۃ النحو، کافیہ، الفیہ ابن مالک اور شرح جامی، علم بلاغت میں مختصر المعانی اور غالباً مطول بھی، منطق میں شرح تہذیب، قطبی اور سلم العلوم، فلسفہ میں ہدیہ سعیدیہ، میبذی اور صدرا، فقہ میں کنز الدقائق اور شرح وقایہ، علم اصول میں اصول الشاشی اور نور الانوار اور حدیث میں مشکاۃ شریف'' آپ ہزارہ میں ۱۳۰۵ھ کے اواخر سے ۱۳۰۹ھ تک حصول علم میں مشغول رہے۔(۱)

علامہ کشمیریؒ کے ابتدائی اساتذہ

جیسا کہ سطور بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت علامہ کشمیری نے بسم اللہ کی ابتداء اپنے والد محترم جناب مولانا معظم علی شاہ صاحب المعروف بہ پیر معظم شاہ سے کی، انہی سے فارسی زبان کے بعض رسائل کے علاوہ عربی کی کچھ کتب پڑھیں، بعد میں کشمیر ہی کے ایک دوسرے عالم سے فقہ و منطق وغیرہ کی چند کتابیں اور علمائے ہزارہ سے اکتساب علم کیا۔ ہزارہ کی تین سالہ مدت قیام اور حصول علم کی تفصیلات دست یاب نہیں ہیں اور نہ ہی یہ کہ آپ نے وہاں صرف کسی ایک مدرسے میں تعلیم حاصل کی، یا مختلف مدارس میں کئی ایک ماہرین فن علماء کے سامنے زانوئے تلمذ کیا؟ البتہ ''نگارستان کشمیر'' اور ''مشاہیر کشمیر'' وغیرہ کشمیر کی ممتاز دینی، علمی، سیاسی اور سماجی شخصیات پر لکھی جانے والی کتب سیر وسوانح سے، قرائن وشواہد کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے کشمیر میں اپنے والد بزرگوار کے علاوہ، مولانا عبدالجبار صاحبؒ سے فارسی زبان کی کتابیں اور مولانا غلام محمد صاحب سے صرف ونحو کی کتابیں پڑھی ہوں گی۔ تاہم ''ہزارہ'' کے تعلق سے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اغلب یہ ہے کہ وہاں کی متعدد دانش گاہوں میں حاضر ہوکر، مختلف علوم وفنون کے ماہر اساتذہ سے استفادہ کیا ہوگا (۲) البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ

(۱) الانور، ص: ۷۷، طریقہ تعلیم کی خصوصیات۔ (۲) ملاحظہ ہو: تاریخ اقوام کشمیر، نگارستان کشمیر، اور مشاہیر کشمیر۔

حضرت شاہ صاحب نے قیام ہزارہ کے دوران، جن اساتذہ ومشائخ سے استفادہ کیا، ان میں فقہ اور اصول فقہ کے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا فضل الدین صاحب قصبہ کاکول شامل ہیں، جن سے غالباً آپ نے فقہ واصول فقہ کی بعض متوسط کتابیں: ''شرح وقایہ'' اور ''نورالانوار'' وغیرہ پڑھیں۔(۱)

دارالعلوم دیوبند میں

مگر حضرت علامہ کشمیری کی علم کی رسیا، جویا اور تشنہ لب طبیعت کو مدارس ہزارہ سے آسودگی نہ ہوئی، کہ:

''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں''

کے ذوق جستجو کے حامل افراد کائنات ارضی کی معمولی سطح پر قناعت نہیں کیا کرتے۔ چناں چہ گھر پر ہی مطالعہ وکتب بینی میں مصروف رہے۔ آپ کو ہزارہ اور کشمیر کے مدارس کی تعلیم سے سیری نہ ہوئی اور نہ اس تشنگی کی سیرابی ممکن نظر آئی، جو آپ محسوس کر رہے تھے۔ ادھر کشمیر میں ہی اپنے بعض اساتذہ کرام سے علامہ کشمیری دارالعلوم دیوبند کی شہرت اور اس کے نابغہ روزگار علماء ومحدثین کا تذکرہ سن چکے تھے، اس لیے آپ نے ایشیاء کی اس عظیم اور منفرد اسلامی یونیورسٹی کا رخ کیا اور ۱۳۱۱ھ۔ ۱۸۹۳ء کو امتحان داخلہ میں امتیازی حیثیت سے کامیابی حاصل کر کے، اس مے کدۂ علم ومعرفت کے مے خواروں میں باقاعدہ شامل ہو گئے۔ گویا درمیان میں ڈیڑھ سال تک انقطاع علم رہا۔(۲)

داخلہ کے پہلے سال حضرت شاہ صاحب نے ہدایہ اولین، حسامی وغیرہ پڑھیں اور انہی کا سالانہ امتحان دیا۔ جب کہ داخلے سے اگلے ۱۲۔۱۳۱۱ھ کے تعلیمی سال میں آپ نے حدیث میں بخاری وترمذی کے ساتھ، فقہ میں ہدایہ جلد ثانی، منطق میں

(۱) الانور، ص: ۷۸، کاکول کی درسگاہ اور مولانا فضل الدین صاحب۔

(۲) روداد دارالعلوم، بابت: ۱۳۱۱ھ، ص: ۲، ۷، اور رجسٹر داخلہ ۶۷۸۔

قاضی مبارک اور تفسیر میں جلالین پڑھی (۱)۔ اس سے اگلے سال ۱۳۱۳ء میں حدیث میں ابوداؤد و مسلم، تفسیر میں بیضاوی اور ہیئت و فلسفہ میں صدرا، شرح چغمینی اور تصریح پڑھیں۔ سالانہ امتحان میں درجۂ اول میں کامیابی حاصل کی (۲)۔ اور آخری سال یعنی تعلیمی سال ۱۳۱۴ھ میں حدیث میں موطا امام مالک، موطأ امام محمد، نسائی، ابن ماجہ اور فنون میں شمس بازغہ اور نفیسی پڑھیں۔ (۳)

دار العلوم میں آپ کے اساتذہ

دارالعلوم دیوبند میں آپ کو جن جہابذہ علم اور اساطین معرفت سے شرف تلمذ حاصل ہے، ان میں شیخ العرب والعجم، تحریک حریت کے بطل جلیل، ریشمی رومال تحریک کے بانی و روح رواں، حضرت الامام الحجۃ محمد قاسم نانوتوی اور حضرت فقیہ القطب مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ اسرارہم کے علوم و کمالات کے حامل و وارث: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی، بذل المجہود شرح عربی ابوداؤد کے باکمال مصنف: حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کشمیری امرتسری، حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی، حضرت مولانا محمد حکیم حسن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا عبدالعلی صاحب محدث مدرسہ عبدالرب دہلی شامل ہیں۔ شیخ الہند سے بخاری، ترمذی، ابوداؤد اور ہدایہ آخرین، مولانا اسحاق صاحب سے مسلم، نسائی اور ابن ماجہ، مولانا خلیل احمد صاحب سے موطأین، مولانا ہزاروی سے کتب فنون اور حکیم محمد حسن صاحب سے کتب طب پڑھیں۔ (۴)

---

(۱) حیات انور، جناب مولانا سید ازہر شاہ قیصر سابق مدیر رسالہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۲۷۵، مضمون جناب مولانا محمد میاں صاحب دیوبندیؒ، سابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، حضرت شاہ صاحب اور دارالعلوم دیوبند، بہ حوالہ: روداد دارالعلوم دیوبند ۱۳۱۲ھ۔ (۲) روداد دارالعلوم دیوبند، بابت تعلیمی سال: ۱۳۱۳ھ۔ (۳) حیات انور: ۱/۲۷۵۔
(۴) نفحۃ العنبر: ص: ۶۔ التصریح بما تواتر في نزول المسیح عربی تحقیق و تعلیق: شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ، ترجمۃ المؤلف: از محقق کتاب، ص: ۱۵، ط: جمعیۃ تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان۔ نقش دوام: ص: ۳۱، ۳۲، اور حیات انور: ۱/۲۷۳۔

حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں

دیوبند میں چار سالہ مدت تحصیل علم کے دوران ہی، غالباً حضرت شاہ صاحب نے استاذ العلماء مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی کے ممتاز و مایہ ناز شاگرد: مولانا عبدالجمیل صاحب افغانی سے علم ہیئت کی تکمیل کی (۱)۔ دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۱۴ھ میں فراغت کے بعد، ہندوستان کے علمائے حقانی کے دستور اور خود اس وقت دارالعلوم دیوبند کی روایت کے مطابق، آپ قطب الارشاد فقیہ ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور وہاں کچھ مدت قیام کر کے حضرت گنگوہیؒ سے علم حدیث میں خصوصی استفادے کے ساتھ؛ ان کے دست حق پر بیعت بھی ہوئے اور تزکیۂ نفس و ریاضت و مجاہدے میں مشغول رہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو ''سلسلۂ چشتیہ'' میں بیعت کر کے اور چند اوراد و وظائف کی تلقین کر کے رخصت کر دیا۔ اس طرح علم و فضل اور ورع وصلاح جس کے آثار بچپن سے ہی آپ میں ہویدا تھے، دونوں کی تکمیل ہوگئی۔ (۲)

دارالعلوم سے فراغت کے معاً بعد حضرت علامہ کشمیریؒ دہلی کے مدرسہ عبدالرب میں خدمت تدریس سے وابستہ ہوگئے تھے یا آپ کچھ مدت اپنے مخلص و محب رفیق حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوریؒ کے یہاں قیام پذیر رہے؟ اس سلسلے میں متضاد روایات ہیں۔ حضرت علامہ کشمیری کے فخر روزگار شاگرد اور آپ کے علوم و معارف کے شارح و ترجمان: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ لکھتے ہیں:

> ''فراغت کے معاً بعد حضرت علامہ کشمیری نے چند ماہ مدرسہ عبدالرب میں تدریسی خدمات انجام دیں اور وہیں سے ''مدرسہ امینیہ'' کی تاسیس اور

---

(۱) نقش دوام، ص: ۳۳۔

(۲) ایضاً ص: ۳۳۔ الانور، ص: ۱۰۱، سلوک میں شاہ صاحب کا قدم راسخ۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۲۰۲۔

تدریس میں لگ گئے‘‘۔(۱)

جب کہ خود حضرت شاہ صاحب کے فرزند نیک ارجمند حضرت مولانا انظر صاحب کشمیری اور معروف محقق جناب عبدالرحمٰن صاحب کوندو کی تحقیق اس کے برعکس ہے۔ان کی رائے میں فراغت کے بعد علامہ، بجنور تشریف لے گئے تھے اور وہیں سے براہ راست ’’مدرسہ امینیہ‘‘ میں تدریس کے لیے ان کا تقرر ہوا۔(۲)

مدرسہ امینیہ کی تاسیس وصدارت تدریس

الغرض اتنا تو طے ہے کہ جناب مولانا امین الدین صاحب گجراتی کے ساتھ مل کر حضرت علامہ نے نہایت تہی دستی اور بے سروسامانی کے عالم میں محض اعتماد وتوکل علی اللہ کرتے ہوئے، عربی علوم کی تدریس کے لیے، دارالعلوم دیوبند کے طرز پر، ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ۔۱۸۹۷ء میں سنہری مسجد، چاندنی چوک دہلی میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ ان کے پاس اس وقت مطلق کوئی سرمایہ نہ تھا، اس لیے حضرت شاہ صاحب نے اپنے ذاتی اخراجات کے لیے رکھے ہوئے تمام کے تمام ۱۶ یا ۱۷/روپے مولانا امین الدین صاحب کے حوالے کردیے۔ یہی مدرسے کا اولین مالی تعاون اور چندہ رہا۔(۳) حضرت علامہ کشمیریؒ اسی مدرسے میں جو بعد میں ’’مدرسہ امینیہ‘‘ کے نام سے مشہور ہوا ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۱۸ھ تک حسبۃً للہ خدمت تدریس وصدارت تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔پھر جب مدرسے کی مالی حالت بہتر اور مستحکم ہوگئی تو ۱۳۱۹ھ میں آپ نے ۲۰/روپے ماہوار مشاہرہ، مولانا امین الدین صاحب کے اصرار پر لینا قبول فرمایا۔(۴)

مدرسہ امینیہ کے زمانۂ تدریس کے دوران جن تشنگان علوم نے حضرت علامہ

(۱) نفحۃ العنبر، ص:۷، اعمالہ بعد الفراغ من التحصیل۔تاریخ دارالعلوم ۲/۲۰۳۔

(۲) نقش دوام، ص:۳۳، فراغت اور دہلی میں تدریس۔الانور ص:۱۰۶، ۱۰۷، بجنور سے دہلی اور مدرسہ امینیہ کی بنیاد۔

(۳) حیات انور، ۲/۱۲، حضرت شاہ صاحب کا تبحر علمی اور ذوق مطالعہ: مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈوی ملخصاً۔

(۴) الانور، ص:۱۰۹، مولانا محمد ادریس سکروڈوی کا بیان۔

کے چشمۂ علم و معرفت سے اپنی پیاس بجھائی، ان میں اپنے دور کے معروف شیخ طریقت ولی اور فرشتہ صفت عالم دین: حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سرفہرست ہیں۔ جنھوں نے اپنی زمانۂ طالب علمی میں حضرت علامہ کشمیری کے انہاک علم اور شوق کتب بینی کا حال خود ہی بیان کیا ہے۔(۱) مدرسہ امینیہ کو آپ اپنے دیرینہ رفیق ومخلص: مولانا امین الدین صاحب کے ساتھ مل کر شاہ راہ ترقی پر گامزن کرنے میں ہمہ تن مصروف کار تھے کہ آغاز ربیع الاول ۱۳۲۰ھ میں حضرت علامہ کے برادر اکبر: جناب مولانا یٰسین شاہ صاحب کی اچانک وفات حسرت آیات ہوگئی، جو بوڑھے والدین کے لیے صاعقہ ثابت ہوئی۔

وطن واپسی

اس لیے والد بزرگوار کے حکم و تاکید کے بہ موجب حضرت شاہ صاحب، عارضی رخصت لے کر ۸ رربیع الاول ۱۳۲۰ھ کو وطن واپس ہوگئے۔ وہاں جا کر بوڑھے ماں باپ نے بڑے بیٹے کی جواں مرگی کے بعد، اپنے اس دوسرے لخت جگر کو اپنے ہی پاس روک لیا اور اس طرح مدرسہ امینیہ جو تقریباً پانچ سالوں تک آپ کے علوم سے فیض یاب ہو رہا تھا، آپ کی شخصیت سے محروم ہوگیا۔(۲)

کشمیر میں اصلاحی مساعی

کشمیر آ کر آپ نے یہاں کے حالات کا دقت نظر سے جائزہ لیا۔ ظاہر ہے کہ کشمیر جو اس وقت اپنی غلامی پر آخری حد تک قانع تھا، وہ اگر جہالت کی تیرگی میں

(۱) حیات انور، ۱/۳۰۶، حضرت الاستاذ محدث کشمیریؒ، مضمون مولانا محمد صاحب انوری لائل پوری۔

(۲) الانور، ص: ۱۱۳، دہلی سے لولاب۔ مگر نقش دوام کے مصنف: حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری نے مدرسہ امینیہ سے رخصت اور کشمیر مراجعت کی وجہ، علامہ کے بھائی کی وفات کو نہیں، بلکہ والدہ محترمہ ''ماں دیوی'' کی ۱۳۱۹ھ میں حادثۂ انتقال کو قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: نقش دوام، ص: ۳۵۔

زندگی بسر کر رہا ہو، بدعات ومحدثات کا وہاں چلن عام ہو، خرافات ورسوم کا مرکز، پیری مریدی کا مقصد صرف عقیدت وبیعت کا عوام سے خراج وصول کرنا ہو تو اس میں حیرت واستعجاب کی کوئی بات نہ ہوگی۔ اس لیے حضرت علامہ کشمیری نے ان سب خرابیوں کا ازالہ کرنے کی نیت سے دیو بند اور سہارن پور کے طرز پر ایک دینی مدرسے کی تاسیس کی تمہید کے طور پر، وادیٔ لولاب اور علاقہ کامراج کے قصبات ودیہات میں جا کر وعظ وارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سلسلے میں آپ بارہ مولہ اور سوپور بھی جاتے رہے۔ حسبۃً للہ پند ونصیحت اور وعظ وارشاد کا یہ سلسلہ ۱۳۲۰ھ سے ۱۳۲۳ھ تک تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ اس کی برکت سے سینکڑوں لوگوں کو دین کی ضروری باتوں کا علم ہوا اور آپ کی ذات عوام کے لیے مرجع وماوی بن گئی۔ آپ کی ولایت، بزرگی اور کرامات کا چرچہ عام ہو گیا۔ لیکن ملی بیداری کا جو کام آپ لینا چاہتے تھے، وہ روبہ عمل ہوتا نظر نہ آیا اور اس طرح جس تحریک کی داغ بیل ڈالنی آپ کے پیش نظر تھی، اس میں کامیابی کی کوئی امید نظر نہ آئی؛ لہٰذا آپ نے اپنے علاقے کی اس صورت حال سے دل برداشتہ ہو کر بہ نیت ہجرت حجاز مقدس چلے جانے کا عزم کر لیا۔ (۱)

سفر حج یا ہجرت حجاز

چناں چہ آپ نے ۱۳۲۳ھ میں عزم سفر حج کیا۔ اس کی اطلاع پا کر آپ کے مخلص ترین معتقد ومحب اور قصبہ بارہ مولہ کے ایک رئیس: جناب عبدالصمد ککرو صاحب بھی شرف معیت حاصل کرنے کے لیے عازم سفر ہو گئے۔ حجاز مقدس میں آپ کا قیام عرصہ چھ ماہ رہا۔ اس دوران نہ صرف یہ کہ آپ حج وزیارت حرمین شریفین کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، دونوں مقامات کے انوار وتجلیات سے روح کی پاکیزگی اور باطن کا جلا حاصل کیا، بلکہ وہاں کے علمائے نام دار سے ملاقات واستفادہ بھی کیا اور ان سے

(۱) الانور، ص: ۱۱۷، ۱۱۹، حذف واختصار کے ساتھ۔

سند واجازت حدیث بھی حاصل کی۔ جن میں ''رسالہ حمیدیہ'' کے عالی مقام مصنف: شیخ محمد حسین طرابلسی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ نیز اس فرصت کو غنیمت جان کر مدینہ منورہ کے کتب خانوں بالخصوص: کتب خانہ شیخ الاسلام عارف حکمت حسینی اور مکتبہ محمودیہ کے علمی ذخائر سے قیمتی نوادر و مخطوطات کا بھرپور مطالعہ کیا۔ (۱)

قیام حرمین شریفین کے دوران جب لکرو صاحب اور بعض دیگر رفقائے کشمیر کو یہ علم ہوا کہ شاہ صاحب کشمیر کی صورت حال سے دل برداشتہ ہوکر یہاں مستقل قیام کی نیت رکھتے ہیں تو انھوں نے بہ اصرار شاہ صاحب سے واپس وطن چلنے کی درخواست کی اور مجوزہ مدرسے کے قیام کے لیے ہر ممکن تعاون دینے کی یقین دہانی کرائی۔

مدرسہ فیض عام کا قیام

ان حضرات کے شدید اصرار پر ہجرت کی نیت ختم کر کے ۱۳۰۴ھ ۱۹۰۷ء میں کشمیر واپس آئے اور مذکورۃ الصدر لکرو صاحب اور بعض دوسرے سربرآوردہ حضرات کے تعاون سے قصبہ بارہ مولہ میں اسی سال ''فیض عام'' کے نام سے ایک دینی مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ اور ۱۳۲۷ھ تک مسلسل تین سال پورے شوق وذوق اور انہماک کے ساتھ تدریس وتربیت میں مشغول رہے۔

مدرسہ فیض عام کی تاسیس کی بابت شاہ صاحب نے اپنے ایک اہل تعلق کو ان الفاظ میں اطلاع دی:

> ''فقیر حقیر در قصبہ بارہ مولہ از کشمیر بہ خیال خود بہ غرض اشاعت علم دین واعانت مذہب امام اعظم'' طرح تعلیم وفقہ نہادہ بود۔ اکثر نیک نہادان ایں امر رانیک نہادند و بعض اہل توفیق بہ قلیل و کثیر زادمعاد امداد دادند''۔ (۲)

(۱) نقش دوام، ص:۳۶۔ التصریح بماتواتر فی نزول المسیح، ترجمۃ المؤلف، ص:۱۸۔

(۲) نفحۃ العنبر، ص:۹، عودۃ الشیخ الی وطنہ، وتاسیسہ مدرسۃ دینیۃ سماہا ''الفیض العام''۔

''بندۂ حقیر نے اپنے طور پر کشمیر کے قصبہ بارہ مولہ میں اشاعت اسلام اور مذہبِ احناف کی تائید کی نیت سے تعلیم فقہ کی بنیاد رکھی ہے۔ اکثر نیک طینت لوگوں نے اس نیک کام کو پسند کیا ہے۔ بعض باتوفیق حضرات نے قلیل وکثیر تعاون بھی دیا ہے''۔

کشمیر سے دل برداشتگی اور دیوبند حاضری

اس مدرسے کو ترقی دینے اور اسے پورے کشمیر کے لیے دین وعلم کا منفرد مرکز بنا دینے کی غرض سے، حضرت علامہ نے محض للہ فی اللہ انتھک محنت کی، اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں اور تین سال تک رات دن ایک کر دیے، مگر ابنائے وطن نے ان قربانیوں کا صلہ کیا دیا، اسے شاہ صاحب ہی سے سنیے۔ وہ اپنے رفیق دیرینہ: جناب مولانا امین الدین صاحب کے نام ایک خط میں رقم فرماتے ہیں:

''میں کوئی ایک مہینہ گزرا چاہتا ہے کہ مکان سے بہ عزم ہندوستان رخصت لے کر آ گیا ہوں۔ ہر چند کہ والدین راضی نہ تھے مگر میرے الحاح پر اجازت دیدی۔ یہاں بارہ مولہ پہنچ کر کچھ توقف سا ہو گیا۔ حقیر کو یہاں سے دل برداشتگی کا سبب یہ ہے کہ یہاں آ کر مخلوق کی بدحالگی کا احساس زیادہ ہوتا رہا، اتنا احساس مجھے ہندوستان میں نہیں ہوا۔ پھر اگر مجھے مخلوق کی طرف احتیاج مخالطت ہوتی تو لامحالہ یہ احساس کم ہوتا، مگر تجرد کے باعث یہ احساس کم نہیں''۔(۱)

اس صورت حال کے بعد، قیام حجاز اور ہجرت کا داعیہ پھر سے قوی ہو گیا اور آپ بہ نیت ہجرت ۱۳۲۷ھ۔۱۹۰۹ء میں عازم سفر ہوئے۔ اپنے اساتذہ بالخصوص حضرت شیخ الہند سے ملاقات کی غرض سے دیوبند تشریف لائے اور یہاں حضرت شیخ الہند اور دیگر شیوخ کو اپنے ارادے سے مطلع بھی کر دیا۔(۲)

---

(۱) تاریخ مدرسہ امینیہ دہلی، ص:۲۶۔ ملخصاً۔

(۲) نفحۃ العنبر، ص:۱۱۔

دارالعلوم دیوبند میں تقرر

آپ کے شیوخ واساتذہ نے جو آپ کے جوہروں کو پہچانے ہوئے تھے، یہ دیکھتے ہوئے کہ دارالعلوم کی مسند درس کی شایان شان یہ ایک ہستی ہے، جسے دارالعلوم نے گویا اپنے ہی لیے پیدا کیا ہے، آپ کو دیوبند روک لیا۔ اور آپ نے بھی غایت تواضع وانکسارِ نفس سے اپنے اساتذہ کی بات اونچی رکھتے ہوئے، قیام دیوبند کا ارادہ فرمالیا۔ بہ ہر حال آپ نے بہ امتثال اکابر دارالعلوم میں درس شروع فرمادیا۔ البتہ غلبہ زہد وقناعت سے مشاہرہ لینے پر راضی نہ ہوئے اور لوجہ اللہ کام شروع کردیا۔(۱) آپ ۱۳۳۲ھ تک حسبۃً للہ مسلم، نسائی اور ابن ماجہ اور بعض دوسری کتب کا درس دیتے رہے۔

صدارت تدریس

۱۳۳۳ھ۔۱۹۱۵ء کے اواخر میں جب حضرت شیخ الہند نے سفر حجاز کا قصد کیا تو اپنی جانشینی کا فخر حضرت علامہ کشمیری کو بخشا اور آپ دارالعلوم کی مسند صدارت پر تقریباً ۱۲ سال ۱۳۴۶ھ۔۱۹۲۷ء تک جلوہ افروز رہے۔(۲) اور صحیح بخاری شریف اور ترمذی شریف کے درس میں آپ نت نئے علوم ومعارف کے دریا بہاتے رہے۔

معروف مورخ محقق اور عالم دین: حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ حضرت شیخ الہند کے سفر حجاز اور پھر اسارت کے بعد شاہ صاحب کی اہلیتِ صدارتِ تدریس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''یہاں تک کہ جب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز ۱۳۳۳ھ میں اپنے سیاسی اور انقلابی پروگرام کے مطابق دفعتاً مکہ

---

(۱) حیات انور، ص: ۱/۲۲۹، نور الانور، مضمون: حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

(۲) تاریخ دارالعلوم، ۲/۲۰۲۔

معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر محبوس واسیر ہو گئے تو ذمہ داران دارالعلوم کو آپ کا جانشین منتخب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی، کیوں کہ حضرت شاہ صاحب کی اعلیٰ شخصیت اس منصب کے لیے پہلے سے منتخب اور موزوں تھی اور یہ ایسا قبا تھا جو بلا کسی قطع و برید کے حضرت شاہ صاحب کے قامت موزوں پر راست آ گیا"۔(۱)

شادی اور تاہل کی زندگی

حضرت شاہ صاحب دارالعلوم دیو بند میں تدریس کے باوجود، حجاز مقدس کی جانب ہجرت کی پاکیزہ نیت سے دست بردار نہ ہوئے تھے، جس کا اظہار مختلف اوقات میں ہوتا رہتا تھا۔ اور بہ قول صاحب نظر محقق اور اہل قلم عالم: حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی:

"حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاب عثمانی، جو اس وقت دارالعلوم دیو بند کے مہتمم ثانی تھے، وہ اس ارادے سے پریشان تھے کہ مبادا اگر یہ آفتاب علم دیو بند سے ہجرت کر جائے تو فقط دیو بند ہی نہیں، سارا ہندوستان ظلمت میں رہ جائے گا، اس لیے شاہ صاحب کے روکنے کے لیے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے وہ تدبیر اختیار کی جو اہل یمن نے حضرت معمرؒ کے روکنے کے لیے کی تھی۔ وہ یہ کہ: "لما دخل معمر اليمن كرهوا أن يخرج من بينهم. فقال رجل: قيّدوه، فزوّجوه" (شرح الامام النووی علی البخاری: ج:۱، ص:۶۴) حضرت شاہ صاحب کے ساتھ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے یہی کیا کہ حسن تدبیر سے گنگوہ کے سادات میں شاہ صاحب کا نکاح کرا دیا، کہ معمر کی طرح شاہ صاحب دیو بند میں مقید ہو جائیں"۔(۲)

---

(۱) حیات انور، ص: ۱/۲۷۸، مضمون مولانا محمد میاں صاحب صدر مدرسی۔

(۲) حیات انور، ۱/۱۳۶، ۱۳۷، مضمون مولانا گیلانی، حضرت شاہ صاحب کا نکاح اور مولانا حبیب الرحمٰن کی حسن تدبیر۔

اب تک شاہ صاحب حسبۃً للہ خدمت تدریس انجام دے رہے تھے۔ ناشتے اور کھانے کی مکمل ذمے داری حضرت حافظ احمد صاحب نے لے رکھی تھی۔ مگر متاہلانہ زندگی شروع ہونے کے بعد، شاہ صاحب کو منتظمین دار العلوم کے اصرار کے پیش نظر طوعاً و کرہاً تنخواہ لینے پر راضی ہو جانا پڑا۔ (۱)

اولاد و احفاد

حضرت شاہ صاحب کے یہاں تین لڑکوں اور دو لڑکیوں سمیت کل پانچ اولاد ہوئیں۔ لڑکے: ازہر شاہ قیصر، اکبر شاہ، انظر شاہ۔ صاحب زادیاں: عابدہ خاتون، راشدہ خاتون۔ ان میں سے اکبر شاہ اور عابدہ خاتون جواں عمری میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے، بڑی صاحب زادی مولانا شفیق احمد صاحب بجنوری سے منسوب تھیں اور پہلی ہی زچگی میں انتقال کر گئیں۔ اکبر شاہ شادی سے پہلے ہی رخت سفر باندھ چلے۔ بڑے صاحب زادے مولانا ازہر شاہ قیصر نے عربی چہارم تک کی کتابیں پڑھیں اور بعد میں دار العلوم دیوبند کے ترجمان رسالہ دار العلوم کے مدیر رہے۔ ۱۴۱۶ھ میں وفات پائی اور اپنے نام ور والد کے پہلو میں آسودہ خواب ہوئے۔ جب کہ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب دار العلوم دیوبند کے ہونہار فاضل، ملک کے معروف محدث، بے نظیر خطیب اور سحر طراز اردو ادیب ہونے کے ساتھ، کئی ایک علمی کتابوں کے مستند مؤلف ہیں اور بہ قید حیات ہیں۔ ان کے یہاں چھ صاحب زادیاں اور ایک صاحب زادے ہیں، جو سب بہ قید حیات ہیں۔

مولانا ازہر شاہ قیصر کے یہاں چار صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔ جب کہ حضرت علامہ کشمیری کی چھوٹی صاحب زادی: راشدہ خاتون کا عقد علامہ ہی کے ایک ممتاز شاگرد اور انوار الباری کے مؤلف شہیر: حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب

---

(۱) حیات انور، ۱/۲۵۳، مضمون حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب۔

بجنوریؒ کے ساتھ ہوا۔ ان کے یہاں پانچ صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں ہوئیں۔(۱)

دارالعلوم سے علیحدگی اور ڈابھیل میں قیام

۱۳۴۶ھ میں حضرت علامہ کشمیریؒ کا دارالعلوم کے نظام میں اصلاحات کے تعلق سے ارباب مدرسہ سے اختلاف ہوگیا۔ جب آپ کے وہ اصلاحی مطالبات انتظامیہ نے منظور نہ کیے تو آپ خاموشی کے ساتھ استعفا دے کر دارالعلوم سے علاحدہ ہوگئے۔ آپ کے ساتھ کئی ایک ممتاز اساتذۂ دارالعلوم، جن میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب عثمانی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیراحمد صاحب عثمانی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، بہ طور احتجاج دارالعلوم سے کنارہ کش ہوگئے۔ اور حضرت شاہ صاحب اپنے ان رفقائے گرامی اور درجات نہائیہ کے ۲۷۵ طلبہ کے ساتھ دیوبند سے ایک ہزار میل کے فاصلے پر واقع، صوبہ گجرات کی ڈابھیل نامی ایک چھوٹی سی آبادی کے گم نام مدرسے ''تعلیم الدین'' کے مخلص، نیک سیرت اور خوش قسمت ذمے داران کی دعوت واصرار پر، اپنے علمی جواہر پارے بکھیرنے کے لیے تشریف لے گئے، جو جلد ہی ایک عظیم الشان یونیورسٹی ''جامعہ اسلامیہ'' میں تبدیل ہوگیا۔ اور بہ قول مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی سات سال طبقۂ علیا کے مدرس اور تیرہ سال صدر مدرس رہنے کے بعد ۱۳۴۶ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے علیحدگی اختیار کی اور دیوبند کے بجائے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو اپنے فیوض وبرکات کا مرکز بنایا۔(۲) ڈابھیل میں آپ ۱۳۴۶ھ۔۱۹۲۷ سے ۱۳۵۱ھ۔۱۹۳۲ء اپنی زندگی کے آخری لمحات تک علم وعرفان کے جام پر جام لنڈھاتے رہے۔

---

(۱) انوار الباری: حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوریؒ، ۱۸/ ۲۵۸، حضرت شاہ صاحب کی اولاد واعزہ: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان پاکستان۔ نقش دوام، ص: ۷۲، اولاد واحفاد اور فقیر غیور کی میراث۔

(۲) حیات انور، ۱/ ۲۸۲، دارالعلوم سے علاحدگی۔

وفات اور تدفین

خونی بواسیر سے آپ پہلے سے ہی دوچار تھے، ڈابھیل کی آب وہوا کی ناسازگاری سے اس میں مزید شدت آ گئی۔ علاج بھی جاری رہا، لیکن جس قدر احتیاط کی ضرورت اور اطباء کی طرف سے تاکید تھی، اپنے فطری شوق مطالعہ، انہماک علم اور ذوق جنوں کے باعث آپ سے ناممکن تھی، بالآخر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مرض بڑھتا گیا۔ بے انتہا ضعف اور طبیعت کے روز افزوں اضمحلال کے سبب آپ ڈابھیل سے دیوبند واپس آ گئے، مگر مرض کو دور ہونا تھا، نہ ہوا۔ بالآخر اپنے وقت کا غزالی، ورازی اور عسقلانی وعینی اپنے چشمہ علم وفضل سے ایک عالم کو سیراب کرنے کے بعد ۳۰ھ صفر شب پونے بارہ بجے ۱۳۵۲ھ۔ ۱۹۳۳ء کو تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں علماء ومشائخ کو یتیم اور علمی دنیا، دینی درس گاہوں اور دانش کدوں کو ماتم کناں چھوڑ کر؛ اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔ (اناللّٰہ وانا الیہ راجعون) اور دیوبند کی تاریخی عیدگاہ سے متصل جانب جنوب میں سپرد خاک کردیا گیا۔ (۱)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں: نقش دوام، ص: ۴۷۔۷۰۔ نفحۃ العنبر، ص: ۱۸۔۲۰، مرض الشیخ واجلہ المحتوم۔ حیات انور، ۱/۱۴، حضرت مولانا سید انور شاہ: ذاتی حالات، علمی اور دینی خدمات، اور مولانا از ہر شاہ قیصر۔ حیات انور، ۶۳/۲۔۶۵، تفردات انوری، ایضاً ص: ۶۵

شاہ صاحب کا درسِ حدیث، امتیازات اور خصوصیات

اگرچہ حضرت شاہ صاحب کی دستار کمال میں متعدد گراں قدر لعل وجواہر آویزاں تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے وجود سے علمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا تھا، لیکن مرحوم کی زندگی میں سب سے نمایاں عنوان، آپ کا اجتہادی درس حدیث اور درسی خصوصیات ہیں۔ بہ قول حضرت شاہ صاحب کے ایک خصوصی تلمیذ: حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نانوتوی:

"ہندوستان نے حضرت شاہ ولی اللہ سے بڑھ کر کوئی مصنف اور مولانا انور شاہ سے ممتاز کوئی مدرس پیدا نہیں کیا"۔(۱)

درسی افادات کے معروف طریقے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث کے انقلابی انداز اور خصوصیات وامتیازات پر گفتگو کرنے سے پہلے، مروج درسی افادات کے طریقوں پر ایک نظر ڈال لی جائے؛ تاکہ حضرت شاہ صاحب کے درس کی قدر وقیمت واہمیت کا علی وجہ البصیرت اندازہ ہوسکے۔ شاہ صاحب کے ایک بالغ نظر شاگرد اور ریاست مالوہ میں تیس چالیس برس تک منصب افتاء وقضاء کے مسند نشین: مولانا مفتی محمود احمد صاحب صدیقی، شاہ صاحب کے تفردات پر لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"درسی افادات کے زیادہ تر دو طریقے جاری ہیں: ایک بہ ذریعہ مولفات جس کی صورت یہ ہے کہ کسی فن کے مسائل ومباحث ابواباً وفصولاً مناسب ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر لیے گئے، اس مرتبہ کا نام کوئی تجویز ہوگیا۔ ایک ایک فن میں متعدد تالیفات وجود میں آگئیں، جن میں مصنفین کا مختلف نظریہ ہونے سے مؤلفات کی حیثیتیں بھی مختلف ہوگئیں.... اہل علم ان کتابوں —— دقیق اور

(۱) نقش دوام، ص: ۴۵، درس کی خصوصیات۔

نہایت مختصر متون —— سے کثرت درس و مطالعہ سے ان متون و شروحات پر حاوی ہو کر مشہور مدرسین میں ان کا شمار ہونے لگتا ہے۔ اب عرصۂ دراز سے طریقہ درس ایسا ہی جاری ہے۔

''دوسرا طریقہ یہ ہے کہ استاذ، حافظ فن کی حیثیت میں طلبہ کے حلقے میں فنی مسائل اور ان کے متعلق تمام مالہا و ما علیہا پر طویل بیان دیتے ہوئے اپنا عندیہ بھی ظاہر کرتا ہے۔ فن کے تمام گوشے اور تحقیقات کے سب پہلو اس کے بیان میں آجاتے ہیں، جن کے ضبط میں حاضرین کے قلم چلتے رہتے ہیں۔ یہاں معلم و متعلم دونوں کتاب کی پابندی سے آزاد ہیں۔ ایسے دروس سے کبھی مستفیدین میں سے ائمہ وقت پیدا ہوتے ہیں۔

''درسی افادے کی ایک تیسری شکل کا بھی کچھ ثبوت ملتا ہے۔ اس تیسری شکل میں جامع العلوم فاضل بلا قید فن، مختلف علوم و فنون کے شائقین کی مجلس میں جو کچھ دھیان میں آجاتا اور جو کچھ چاہتا، بتلاتا ہوا چلا جاتا۔ طلبہ کی بیاضوں میں ہر فن کے تحت اس کے مباحث اصولاً و فروعاً درج ہو جاتے تھے۔ یہ املائی تقریریں علوم و فنون کا کشکول بن جاتی تھیں''۔

شاہ صاحب کی جامعیتِ درس

آیئے اب اس مسئلے میں خود مفتی صاحب کی شہادت سنیں:

''ہمارے حضرت شاہ صاحب کے درس کو تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ تینوں قسم کے درس کا جامع کہا جاسکتا ہے''۔(۱)

اب ذرا گفتگو کو دراز کرتے ہوئے دیکھیں کہ شاہ صاحب کی جامعیت درس، کس انداز کی، کس قدر ہمہ گیر، وسیع اور مختلف علوم و فنون کے کن کن گوشوں کو اپنے

---

(۱) حیات انور، ۲/ ۶۳۔۶۵، تفردات انوری

اندر سمیٹے ہوئے تھی؟ یہ حکایت بھی حضرت شاہ صاحب کے بحر بے کراں سے مستفید ہونے والے چند مستند و معروف اہل علم و تحقیق علماء کی زبانی سنیں:

۱- پوری بخاری کے حافظ تھے

شاہ صاحب کے تلمیذ رشید اور ان کے درس افادات بخاری کے مرتب: مولانا سید احمد صاحب بجنوریؒ رقم طراز ہیں:

''حضرت شاہ صاحب نے تیرہ مرتبہ پوری بخاری شریف کا مطالعہ فرمایا، اس طرح کہ ایک ایک لفظ پر غور فرمایا تھا۔ پوری بخاری کے گویا حافظ تھے اور ایک حدیث کے جتنے ٹکڑے مختلف مواضع میں امام بخاری لائے ہیں، آپ کو محفوظ تھے۔ چناں چہ درس یومیہ کا معمول تھا کہ پہلے قطعہ پر پوری حدیث کی تقریر فرمادیتے تھے اور یہ بھی بتلادیتے تھے کہ آگے فلاں فلاں مواقع میں، امام بخاری اس غرض سے اس کے باقی قطعات لائے ہیں، پھر دوسرے قطعات پر گزرتے تو تنبیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس حدیث کے پورے مباحث بیان کر آیا ہوں''۔(۱)

۲- حدیثِ کی تشریح عربیت و بلاغت کی رو سے

حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ، التعلیق الصبیح شرح عربی مشکاۃ المصابیح اور بہت سی دیگر کتابوں کے مؤلف: حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

''درس حدیث میں سب سے اول اور زیادہ توجہ اس طرف کرتے تھے کہ حدیث نبوی کی مراد باعتبار قواعد عربیت اور بلاغت کے واضح ہو جائے۔ کوشش اس کی فرماتے کہ حدیث کی مراد کو اصطلاحات کے تابع نہ رکھا جائے۔ اصطلاحات بعد میں حادث ہوئیں اور حدیث نبوی زماناً و رتبۃً مقدم ہے..... نیز جس طرح

(۱) انوار الباری، ۲/۲۴۵، حضرت شاہ صاحب بخاری و فتح الباری کے گویا حافظ تھے۔

حضرات مفسرین، قرآن کریم کے اسرار و بلاغت بیان کرتے ہیں، اسی طرح شاہ صاحب حدیث کے اہم بلاغی نکات پر متنبہ فرماتے۔(۱)

۳- متعارض روایات میں تطبیق

مشکل اور متعارض احادیث کی تشریح میں کسی ایک روایت یا کسی ایک طریق پر انحصار نہ کرتے ہوئے، دوسری روایات میں وارد الفاظ کا تتبع و احصاء فرماتے اور کوشش یہ ہوتی کہ ان متعدد طرق و روایات کے درمیان اس لفظ تک پہنچ جائیں، جو خود حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہو۔ یہ کام نہایت محنت طلب مشکل اور جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، کیوں کہ راویت بالمعنی، بہت عام اور شائع ذائع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے اور دوسری کتب احادیث میں بھی۔ لیکن الفاظ کی جو شوکت، جزالت، ندرت ترکیب، شستگی و شگفتگی اور جمال آفرینی و دل کشی، صحیحین کی روایات میں محسوس ہوتی ہے، دیگر کتب کی انہی روایات کے الفاظ میں نظر نہیں آتی۔ بلکہ خود بخاری کی احادیث میں جو وضاحت و سلاست اور روانی ہے، وہ بسا اوقات مسلم کی روایات میں نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ضبط و اتقان، قوت حافظہ، صلاح و ورع اور عقل و فہم کا جو معیار امام بخاری و امام مسلم نے روایت لینے کے لیے اپنائے ہیں، وہ معیار دوسرے ائمہ حدیث کے یہاں باقی نہیں۔ روایت بالمعنی کے سبب بہت سے مسائل میں اختلافات پیدا ہو گئے کہ ہر فریق نے حدیث کے کسی طریق میں وارد ایک لفظ کا سہارا لیا اور دوسرے نے دوسرے طریق کے دوسرے لفظ سے استدلال کیا۔ بنا بریں علامہ کشمیریؒ ایک روایت کے تمام طرق اور ان میں وارد مختلف الفاظ کو جمع کرتے اور روایت کی ایسی دل نشیں اور درست تشریح کرتے کہ دل باغ باغ ہو جاتے اور بول اٹھتے

(۱) حیات انور، ۱/۱۴۶، درس حدیث، مضمون مولانا کاندھلوی بہ عنوان: حضرت الاستاذ محدث کشمیری۔

کہ یہی منشائے رسالت اور مرادنبوت ہے۔(۱)

۴- رجالی رجسٹر

حدیث سے مستنبط ہونے والے حکم کا مدار، صرف رجال وروات حدیث ہی پر نہ رکھتے، جیسا کہ اختلافی حدیثوں کی بابت شوافع کا عموماً مزاج ہے کہ وہ رجالی رجسٹروں کی مدد سے ''اصح ما فی الباب'' کا ترجیحی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ جب کبھی شوافع کے اس اصول کا ذکر آجاتا تو شاہ صاحب فرماتے کہ لیجیے! ''علمائے شافعیہ نے پٹھے ٹٹولنے کا کام شروع کردیا'' (۲) رجال کی تحقیق ان کی زندگی کا پٹارہ ٹٹولنے اور پھر اپنے فقہی نقطۂ نظر کے موافق روایت میں ایک شخص کو قبول کرنے اور دوسری بہ ظاہر مخالف مسلک روایت میں، اسی راوی کو ساقط الاعتبار اور رد کردینے کے رجحان سے آپ کو شدید نفرت تھی، اسے مجادلہ ومکابرہ خیال فرماتے تھے۔ چناں چہ اپنے ایک رسالے ''نیل الفرقدین فی مسألة رفع الیدین'' میں فرماتے ہیں:

> ''لم أكثر من نقل كلامهم في الرجال، ومافيه من كثرة القيل والقال؛ لانه ليس له عندي كبير ميزان في الاعتدال، وبعضهم يسكت عند الوفاق، ويجرح عندالخلاف ..... وهذا صنيع لا يشفي ولا يكفي وإنما هو سبيل الجدال'' (۳)
>
> ''میں رجال کے سلسلے میں محدثین کے اقوال زیادہ نقل نہیں کرتا اور نہ ہی اس تعلق سے ہونے والے قیل وقال کو۔ کیوں کہ اس کی میرے نزدیک کوئی زیادہ قیمت نہیں ہے۔ کہ موافق ہونے کی صورت میں ایک راوی سے سکوت اختیار کیا جاتا ہے اور مخالفت کی شکل میں اسی کی جرح کی جاتی ہے... اس انداز کا

(۱) نفحة العنبر، ص:۶۱، خصائصه وممیزاته فی شرح الاحادیث التی تتعلق بمسائل مذاهب الائمة وغیرها۔

(۲) حیات انور، ۱/۸۰، حضرت شاہ صاحب کی درسی خصوصیات، مولانا مناظر احسن گیلانی۔

(۳) نیل الفرقدین، ص:۱۳۶، تتمة فی عد مواضع الرفع وعددها۔

کوئی فائدہ نہیں، بلکہ یہ تو بحث ومباحثے اور جدال ومجادلے کی راہ ہے''۔

رجال ورات حدیث کی جرح وتعدیل اور ان کی روایات کے قبول ورد کی بابت حضرت علامہ کشمیری، اعتدال کے حامی ہیں اور اس سلسلے میں نہایت منصفانہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ چناں چہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ جس حدیث کی سند اصطلاحاً صحیح ہو، پھر اس پر سلف میں سے کسی کا عمل بھی ہو تو وہ فی الواقع صحیح حدیث مانی جائے گی، اس کی بابت اعلال وتعلل، جرح اور لیت ولعل مسموع نہ ہوگا۔ جیسا کہ محدثین وعلمائے جرح وتعدیل کا رویہ ہے کہ موافقت کی صورت میں نظر انداز اور صرفِ نظر سے کام لیتے اور مخالفت کی صورت میں نقد وجرح کرتے ہیں''۔ (۱)

جرح وتعدیل کی بابت علامہ کشمیریؒ کا موقف

جب بات رجال اور رواتِ حدیث کی چل نکلی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی دیکھتے چلیے کہ اسماء الرجال پر شاہ صاحب کس محققانہ انداز میں کلام کرتے تھے، خصوصاً جن رواۃ کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے؟ جرح وتعدیل کے اختلاف کو نقل کر کے اپنا قولِ فیصل بتلا دیتے کہ یہ راوی کس درجے میں قابلِ قبول ہے اور یہ کہ اس کی روایت ''حسن'' کے درجے میں رہے گی یا صحیح کے درجے میں، قابلِ رد ہوگی یا قابلِ اغماض؟ زیادہ تر فیصلے کا طریقہ یہ ہوتا کہ جب کسی راوی کے جرح وتعدیل میں اختلاف ہوتا تو فرماتے کہ یہ راوی ترمذی کے فلاں سند میں واقع ہے اور امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین یا تصحیح فرمائی ہے۔ (۲)

---

(۱) نیل الفرقدین، ص: ۱۳۶۔

(۲) حیات انور، ۱/۱۴۷، درس حدیث حضرت الاستاذ محدث کشمیری، تحریر: مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔

۵-تمام علوم کا احاطہ

عالم شہیر حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، حضرت علامہ کشمیری کی خصوصیاتِ درس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''دوسری خصوصیت یہ تھی کہ حضرت ممدوح کے علمی تبحر اور علم کے بحرِ ذخار ہونے کی وجہ سے درس حدیث صرف علوم حدیث ہی تک محدود نہ رہتا تھا، اس میں استطرادًا لطیف نسبتوں کے ساتھ ہر علم وفن کی بحث آتی تھی۔ اگر معانی وبلاغت کی بحث آجاتی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا علم معانی کا یہ مسئلہ اسی حدیث کے لیے واضع نے وضع کیا تھا، معقولات کی بحثیں آجاتیں اور معقولیوں کے کسی مسئلہ کا رد فرماتے تو اندازہ ہوتا کہ یہ حدیث گویا معقولات کے مسئلہ ہی کی تردید کے لیے قلب نبوی پر وارد ہوئی تھی۔ میں نے ان مختلف الانواع تحقیقات کو دیکھ کر ایک املائی کاپی تیار کی، جس کے چوڑے اوراق میں چھ سات کالم بنائے اور ہر کالم کے اوپر والے سرے پر فنون کے عنوان ڈال دیے یعنی مباحث تفسیر، مباحث حدیث، مباحث عربیت: صرف ونحو، مباحث فلسفہ ومنطق، مباحث ادبیات، جن میں اشعار عرب اور فصاحت وبلاغت کی بحثیں آتی تھیں، مباحث تاریخ وغیرہ، پھر فنون عصریہ کے لیے ایک کالم رکھا، کیوں کہ موجودہ دور کے فنون: جیسے سائنس، فلسفۂ جدید اور ہیئت جدیدہ وغیرہ کے مباحث بھی بہ ذیل بحث حدیث درس میں آتے تھے''۔(۱)

فاضل یگانہ حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی زبانی بھی اس خصوصیت کو سنتے چلیے! لکھتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ باتوں باتوں میں صرف حدیث ہی نہیں، بلکہ دوسرے علوم کے ایسے اہم کلیات ان کے درس میں ہاتھ آجاتے تھے کہ اپنے ذاتی مطالعہ

(۱) حیات انور ار۲۴۰، ۲۴۱۔ نورالانور تحریر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ۔

سے شاید ساری عمر، ان تک ہم جیسے نارساؤں کی رسائی آسان نہ تھی''۔(۱)

اسی بات کو ایک اور جگہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''خیال تھا کہ جیسے عام طور پر ہمارے مدارس کا دستور ہے، طلبہ کتاب کی عبارت پڑھیں گے، حضرت شاہ صاحب اس عبارت کا ترجمہ ومطلب طلبہ کو بتائیں گے۔لیکن پہلی دفعہ درس کے ایک نئے طریقے کے تجربے کا موقع میرے لیے یہ تھا کہ بسم اللہ بھی کتاب کی شروع نہیں ہوئی تھی کہ علم کا ایک بحر بے کراں، بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں، میرے دل ودماغ کے ساحلوں سے ٹکرانے لگا''۔(۲)

۶-متقدمین کا تعارف وتذکرہ

مولانا گیلانی ایک اور امتیازی درسی خصوصیت کا تعارف اس طرح کراتے ہیں:

''علاوہ موضوع درس کے، چند خاص امور کا تذکرہ، التزاماً اپنے درس میں ضرور فرمایا کرتے۔مثلاً جن مصنفین کی کتابوں کا حوالہ دیتے، ان کی ولادت ووفات سنین کے ساتھ ساتھ مختصر حالات، ان کی علمی خصوصیت، علم میں ان کا خاص مقام کیا ہے، ان امور پر ضرور تنبیہ کرتے چلے جاتے۔یہ ان کا ایسا اچھا طریقہ تھا، جس کی بہ دولت شوقین اور محنتی طلبہ، ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوکر علم کے ذیلی ساز وسامان سے مسلح ہوتے تھے۔

سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے مولانا گیلانی لکھتے ہیں:

''اشخاص ورجال، جن کا وہ تذکرہ حلقۂ درس میں فرمایا کرتے تھے، ان میں زیادہ تر ایسی ہستیاں تھیں، جواب دنیا میں موجود نہیں ہیں۔زندہ علماء کا ذکر مشکل ہی سے ان کے درس میں ہوتا اور زندہ کیا سچ پوچھیے تو حافظ ابن حجر نویں صدی ہجری کے عالم ومحدث کے بعد والوں کے نام بھی ان کی زبان مبارک پر اتفاقاً ہی کبھی

(۱) حیات انور، ۶۸/۱، حضرت شاہ صاحب کی درسی خصوصیات۔ (۱) ایضاً،ص: ۵۷۔

آتے ہوں، ان کے حلقۂ درس میں پہنچ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ درمیان کی چند صدیاں گویا حذف ہوگئیں ہیں اور ہم نویں، آٹھویں اور ان سے پہلے کی صدیوں میں گویا زندگی بسر کر رہے ہیں''۔(۱)

مفتی محمود احمد صدیقی نے یہ دل چسپ حکایت اس طرح بیان کی ہے:

''درس میں صدر اوّل سے لے کر آٹھویں نویں صدی تک کے رجال علوم اور ان کی علمی کاوشیں فوٹوں کے انداز میں سامنے ہو جاتی تھیں۔ حرمین، عراق، شام، یمن، اندلس، نیشاپور، مرو اور مصر، تمام اسلامی ممالک کے مدفون اور مدوّن علمی خزائن تقسیم ہوئے تھے۔ لیکن دو تین صدیوں کے اربابِ حواشی وشروح سے آپ کا درس، قریب قریب بالکل ساکت وصامت نظر آتا تھا۔ بہت کم موافقاً اور مخالفاً ان سے تعرض ہوتا تھا۔ شاذ ونادر ہی بعض محققین جیسے شوکانی، یا آلوسی وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں''۔(۲)

۷-استحکام حنفیت

معلوم ہے کہ استحکام حنفیت اور اس حقیقت کو علی رؤس الاشہاد واقعاتی شکل میں ثابت و محقق کرنے کے لیے کہ فقہ حنفی تمام تر کتاب وسنت اور آثار واقوال صحابہ سے مستنبط اور ماخوذ ہے اور یہ کہ مختلف فیہ مسائل میں دوسرے مذاہب والوں کے پاس جس درجے کی روایت ہے، اس سے بہتر یا کم از کم اسی درجے کی روایت احناف کا بھی مستدل ہے، علامہ کشمیریؒ کی خدمات بڑی وقیع اور ناقابل فراموش ہیں۔ چناں چہ حضرت علامہؒ نے دیوبند میں اپنے آخری درس حدیث کے سال، ماہ شعبان میں طلبہ سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) حیات انور، ص: ۷۸، ۷۹۔

(۲) ایضاً، ۲/۷۶، تفردات انوری، تحریر: مفتی محمود احمد صدیقی۔

''ہم نے اپنی زندگی کے پورے تیس سال اس مقصد کے لیے صرف کیے کہ فقہ حنفی کے موافق حدیث ہونے کے بارے میں اطمینان حاصل ہو جائے۔ سو الحمدللہ اپنی اس تیس سالہ محنت اور تحقیق کے بعد، میں اس بارے میں مطمئن ہوں کہ فقہ حنفی، حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جس مسئلہ میں مخالفین احناف، جس درجہ کی حدیث سے استناد کرتے ہیں، کم ازکم اسی درجے کی حدیث، اس مسئلہ کے متعلق، حنفی مسلک کی تائید میں ضرور موجود ہے اور جس مسئلہ میں حنفیہ کے پاس حدیث نہیں ہے اور اس لیے وہ اجتہاد پر اس کی بنیاد رکھتے ہیں، وہاں دوسروں کے پاس بھی حدیث نہیں ہے''۔(۱)

اور تحدیث بالنعمۃ کے طور پر خود ہی فرمایا:

''میں نے حنفیت کو اس درجہ مستحکم کر دیا کہ اب انشاء اللہ سو سال تک اس میں کوئی اضمحلال پیدا نہیں ہو سکتا''۔(۲)

استنباطِ مسائلِ فقہ

درس حدیث کے دوران، ان مسائل سے متعلقہ احادیث پر جس ژرف نگاہی، دیدہ وری، بالغ نظری اور دقیقہ رسی سے گفتگو کرتے، اس سے محسوس ہوتا کہ فقہ حنفی کے مسائل خود بہ خود احادیث سے نکل رہے ہیں، اس کے لیے کسی درجہ میں بھی تکلف اور آورد محسوس نہ ہوتا تھا۔ چناں چہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں:

''متونِ حدیث کی معتمد کتابوں کا ڈھیر، آپ کے سامنے ہوتا تھا اور تفسیر حدیث بالحدیث کے اصول پر کسی حدیث کے مفہوم کے بارے میں جو دعویٰ کرتے، اسے دوسری احادیث سے مؤید اور مضبوط کرنے کے لیے، درس ہی میں

(۱) الانور، ص: ۳۱۴، فقہ حنفی کے بارے میں اطمینان، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، تحریر: مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔
(۲) نفحۃ العنبر، ص: ۹۳، الشیخ وسعیه فی خدمة المذهب الحنفی۔

کتب پر کتب کھول کر دکھاتے جاتے تھے اور جب ایک حدیث کا دوسری احادیث کی واضح تفسیر سے، مفہوم متعین ہو جاتا تھا تو نتیجتاً وہی فقہ حنفی کا مسئلہ نکلتا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ حدیث فقہ حنفی کو پیدا کر رہی ہے۔ یہ ہرگز مفہوم نہیں ہوتا تھا کہ فقہ حنفی کی تائید میں خواہ مخواہ توڑ موڑ کر حدیثوں کو پیش کیا جارہا ہے''۔(۱)

۸-عرض حدیث علی القرآن

حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث کا ایک نمایاں وصف ''عرض الحدیث علی کتاب اللہ'' تھا۔ ظاہر ہے کہ حدیث نبوی، حسب تصریح قرآن، علوم کتاب کی تشریح وتفصیل ہے۔ حضرت علامہ کشمیریؒ اثنائے درس یہ بتاتے جاتے تھے کہ زیر بحث حدیث، قرآن کی کس آیت کی تشریح وتوضیح ہے اور اس کا ماخذ کون سی آیت ہے۔ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

''حدیث نبوی کا ماخذ، قرآن کریم سے بیان فرماتے اور اسی مناسبت سے بہت سی مشکلاتِ قرآنیہ کو حل فرما دیتے تھے''۔(۲)

۹-منشائے نبوی کی تشریح

جن احادیث کو اپنے مفید مطلب ثابت کرنے کے لیے علمائے مذاہب اربعہ: احناف، موالک، شوافع اور حنابلہ ہر ممکن جتن اور کھینچ تان کرتے، حضرت شاہ صاحب ان پر تحزّب اور فقہی ومسلکی تعصب سے بالکل بالاتر ہو کر بحث کرتے اور کوشش فرماتے کہ اصل منشائے نبوت معلوم ہو سکے، پھر اس کے شانِ ورود، نزول کے پس منظر کی تعیین کرتے، دقتِ نظر کے ساتھ تحقیق فرماتے، پھر تنقیح مناط، تخریج مناط اور تحقیق

---

(۱) حیات انور، ۱/۲۳۷، نور الانور۔

(۲) مقدمہ انوار الباری، ۲/۲۴۴، حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث کی خصوصیات۔

مناط کے اصول پر ایک ایک جزیے کو اس طرح کھولتے کہ حدیث نبوی کا منشا و مقصد بالکل واضح اور صاف ہو جاتا۔ اس میں وہ اس تحفظ کو در نہ آنے دیتے کہ آیا روایت، فقہ حنفی کے موافق ہو رہی ہے یا نہیں۔ اگر وہ حدیث احناف کے خلاف جاتی تو اپنے بے مثال حافظے اور خزانہ علوم سے کوئی دوسری حدیث بیان فرماتے، جس سے فقہ حنفی مستنبط ہوتی اور حدیث نبوی کی ایسی دل کش اور واقعی تشریح فرماتے کہ نہ صرف اصلی مقصد ظاہر ہو جاتا، بلکہ اس پر پڑی ہوئی تاویل بے جا کی گرد بھی خود بہ خود دور ہو جاتی۔ (۱)

حضرت مولانا کاندھلویؒ نے اس امتیاز پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

''فقہ الحدیث پر جب کلام کرتے تو اوّلاً ائمہ اربعہ کے مذاہب نقل فرماتے اور پھر ان کے وہ دلائل بیان فرماتے، جو ان مذاہب کے فقہاء کے نزدیک سب سے زیادہ قوی ہوتے۔ پھر ان کا شافی جواب اور امام اعظم کے مسلک کی ترجیح بیان فرماتے تھے۔ حنفیت کے لیے استدلال و ترجیح میں کتاب و سنت کے تبادر اور سیاق و سباق کو پورا ملحوظ رکھتے اور اس بات کا خاص لحاظ رکھتے کہ شریعت کا منشاء و مقصد اس بارے میں کیا ہے اور یہ حکم خاص، شریعت کے احکامِ کلیہ کے خلاف تو نہیں؟'' (۲)

۱۰- مباحث پر محققانہ تبصرہ

درسِ نظامی کے نصاب میں مغلق، پے چیدہ اور صعب الفہم عبارات والی کتب کو زیادہ جگہ دی گئی ہے، جس سے طلبہ میں ایک قسم کی موشگافی یا بال کی کھال نکالنے کا فن تو کسی درجے میں آ جاتا ہے، لیکن فنی وسعتِ نظر پیدا نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ صاحب کا درس فنی تحقیق و تفتیش کا اعلیٰ نمونہ اور اس طرح کی بے سود قیل و قال سے پاک ہوا کرتا تھا۔ چناں چہ معروف محقق مولانا محمد میاں صاحب دیوبندیؒ لکھتے ہیں:

(۱) نفحۃ العنبر، ص:۱۰۱، الشیخ وخصائص درسہ وشیوع طریقتہ المبتکرۃ۔

(۲) حیات انور، ۱/ ۱۴۷، درس حدیث حضرت الاستاذ محدث کشمیریؒ۔

''حضرت شاہ صاحبؒ اس مرض سے بہت بیزار تھے۔الفاظ کی ژولیدگی میں مشغول ہونا، آپ کے نزدیک تضییع اوقات تھا۔آپ کی تمام توجہ فن کی تحقیق پر مبذول رہتی تھی۔اسی کا مظاہرہ آپ کے درس میں ہوتا تھا۔آپ کی تقریر، شروح اور حواشی کے اقتباسات کا مجموعہ نہیں ہوتی تھی، بلکہ مسئلہ پر محققانہ تبصرہ ہوتا تھا۔

اس کی قدرے توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحبؒ کے حلقہ درس میں کتابیں بے شک نکلی رہا کرتی تھیں، طلبہ عبارت بھی پڑھتے تھے۔مگر حضرت شاہ صاحبؒ کی تقریر کا تعلق، عبارت سے زیادہ تحقیق و تنقیح مسئلہ سے ہوتا تھا۔آپ الفاظ کی بندشوں سے بلند ہوکر، مسئلہ کے متعلق اپنی ذاتی تحقیق پیش فرماتے تھے''۔(۱)

۱۱-کبارِ علمائے فنون سے استشہاد

درسِ حدیث کے دوران جن دیگر علوم وفنون مثلاً نحو، صرف، معانی و بدیع، لغت وادب، تاریخ وتراجم، فقہ واصولِ فقہ، منطق وفلسفہ، ہیئت ونجوم وغیرہ کے کسی مسئلے کا ذکر آجاتا تو حضرت علامہ کشمیریؒ کبار علمائے فن وائمۂ علم کے اقوال ہی نقل فرماتے۔چناں چہ نحو کے مسئلے میں سیبویہ اوران کے ہم عصر نحاۃ کا حوالہ دیتے اوراس سلسلے میں نزولاً بہت سے بہت تو ابن ہشام اور محقق رضی کا کلام نقل کرتے۔بلاغت ومعانی کے سلسلے میں عبدالقادر جرجانی اور علامہ زمخشری کی تحقیق نقل فرماتے، کبھی کبھی شیخ تقی الدین سبکی اور ان کے فاضل کامل صاحب زادے: بہاء الدین سبکی کی کتاب ''عروس الأفراح'' کا بھی حوالہ دیتے۔مگر تفتازانی اور خطیب بغدادی تو کجا، سکاکی تک کا بھی نام نہ لیتے۔اسی طرح لغت وادب کی بابت ائمہ لغت مثلاً: جوہری، ازہری، امام راغب اور زمخشری سے استناد کرتے، لیکن ''القاموس' للفیر وزآبادی کے درجے تک کی کتابوں سے نیچے نہ اترتے تھے(۲)۔

---

(۱) حیاتِ انور، ۱/ ۲۸۸-۲۸۹، تحقیق فن، املا اور درس، حضرت شاہ صاحب اور دارالعلوم دیوبند۔
(۲) فحۃ العنبر، ص:۱۰۱، الشیخ وخصائص درسہ وشیوع طریقتہ المبتکر ۃ۔

۱۲- تطبیق وتوفیق

حضرت علامہ کشمیریؒ کی درسی خصوصیات وامتیازات تو بہت ہیں۔ مگر یہ گفتگو صرف دو خصوصیتوں کے ذکر پر ختم کی جارہی ہے:

درس حدیث کے دوران حضرت علامہؒ کا زور جن باتوں پر التزاماً رہتا، ان میں ایک اہم پہلو "تطبیق بین الروایات المتعارضہ اور توفیق بین أقوال الأئمة المختلفة" ہے۔ آپ اس کی بھرپور کوشش کرتے کہ بہ ظاہر متعارض احادیث کی ایسی تشریح اوران کا ایسا محمل ومنشا، خود روایات ہی کی روشنی میں متعین کیا جائے، جس سے یہ روایات نہ صرف یہ کہ باہم متعارض نظر نہ آئیں، بلکہ ایک دوسرے کے لیے معاون ومدد ثابت ہوجائیں۔ اسی طرح ائمہؒ مجتہدین کے اقوال میں بھی توفیق کی کوشش کرتے اور علی وجہ البصیرت یہ ثابت کرتے کہ ان میں اتفاق کے اجزاء، اختلافی نکات کی بہ نسبت کم ہیں۔ اس ذیل میں آپ کو حنفیہ کا کوئی قول نہ ملتا تو دوسرے ائمہؒ کا قول اختیار فرماتے، خصوصاً امام شافعیؒ کا۔ (۱)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں:

> "ایک موقع پر شاہ صاحب نے فرمایا: اکثر مسائل میں فقہ حنفی میں کئی کئی اقوال ہیں اور مرجحین واصحاب فتویٰ مختلف وجوہ واسباب کی بنا پر ان میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرتے اور ترجیح دیتے ہیں۔ میں اس قول کو زیادہ وزنی اور قابل ترجیح سمجھتا ہوں، جو ازروئے دلائل زیادہ قوی ہو، یا جس کے اختیار کرنے میں دوسرے ائمہؒ مجتہدین کا اتفاق زیادہ حاصل ہوجاتا ہو"۔ (۲)

چوں کہ حضرت علامہ کو توفیق بین اقوال الائمہ سے خاصا اعتناء رہتا تھا، اس لیے وہ آخری عمر میں اسے "امام ابوحنیفہؒ سے نمک حرامی" سے تعبیر کیا کرتے تھے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب۔ حضرت علامہ کی اس خصوصیت درس اوران

(۱) نفحۃ العنبر، ص: ۵۵، خصائصه ومميزاته فى شرح الأحاديث التى تتعلق بمسائل مذاهب الأئمة وغيرها
(۲) حیات انور، ۱/ ۱۶۸، فقہ میں آپ کا ایک خاص اصول۔

کے اس جملے کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''حضرت ممدوح کا یہ جملہ کہ ''عمر بھر ابوحنیفہؒ کی نمک حرامی کی'' شاید اس طرف مشیر ہے کہ حضرت ممدوح جہاں روایاتِ حدیث میں تطبیق وتوفیق روایات کا اصول اختیار فرماتے تھے، وہیں روایاتِ فقہیہ میں بھی آپ کا اصول تقریباً تطبیق وتوفیق ہی کا تھا۔ یعنی مذاہبِ فقہاء کے اختلاف کی صورت میں، حنفیہ کا وہ قول نقل فرماتے، جس سے خروج عن الخلاف ہو جائے اور دونوں فقہ باہم جڑ جائیں، اگر چہ یہ قول مفتی بہ بھی نہ ہو اور مسلکِ معروف کے مطابق بھی نہ ہو۔ نظر صرف اِس پر تھی کہ دو فقہی مذہبوں میں اختلاف جتنا کم سے کم رہ جائے، وہی بہتر ہے''۔(۱)

۱۳- تراجم ابواب بخاری کی عقدہ کشائی

کہا جاتا ہے کہ ''فقه الإمام البخاري في تراجمه'' اور اسی لیے ''تراجم ابواب'' صحیح بخاری کا سب سے پے چیدہ مشکل اور دشوار مقام مانا جاتا ہے۔ خود بہ قول حضرت علامہ کشمیریؒ، صحیح بخاری کی تشریح کا جو قرض امت کے ذمے تھا، اسے حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' لکھ کر اتار دیا۔ مگر تراجم بخاری کی تشریح وتوضیح کا قرض ہنوز امت کی گردن پر ہے۔ ظاہر ہے کشمیری الامام تراجم بخاری کی عقدہ کشائی سے کس طرح صرفِ نظر کر سکتے تھے۔ چناں چہ آپ اس پر بھی خصوصی توجہ دیتے۔ مولانا کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

''درسِ بخاری میں تراجم کے حل کی طرف خاص توجہ فرماتے۔ اولاً بخاری کی غرض ومراد واضح فرماتے۔ بہت سے مواقع پر حلِ تراجم میں، شارحین کے خلاف مراد منقح فرماتے تھے۔ ثانیاً یہ بھی بتلاتے کہ اس ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ نے ائمہ اربعہ میں سے کس امام کا مذہب اختیار فرمایا اور پوری بخاری آپ سے پڑھنے کے بعد یہ واضح ہوتا کہ سوائے مسائل مشہورہ کے اکثر جگہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی موافقت کی ہے''۔(۲)

(۱) الانور، ص: ۲۶۵، ۲۶۶، مقالات ومضامین۔

(۲) مقدمہ انوار الباری، جلد۲، ص: ۲۴۵، حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث کی خصوصیات۔

بے مثال قوتِ حافظہ

حضرت علامہ کشمیریؒ اپنی جن یکتا و یگانہ خصوصیات و امتیازات کے حوالے سے لازوال شہرت اور اپنے ہم عصر علماء و مشائخ کی صف میں انفرادی شان کے حامل ہیں، ان میں اہم ترین خصوصیت بے نظیر حافظہ اور بے مثال یادداشت ہے۔

مولانا کاندھلویؒ کی شہادت

اس تعلق سے آپ کی ایسی شہرت ہوئی کہ بہ قول آپ کے ایک رمز شناس عالم اور تحقیق نگار شاگرد: مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ:

> ''انور اگرچہ علم ذات تھا، مگر بہ طور کنایہ، نورِ علم، نورِ تقوی پر بھی دلالت کرتا تھا اور یہ دلالت اس درجہ مشہور ہوئی کہ انور شاہ کا نام، علم و حفظ پر اسی طرح دلالت کرنے لگا، جس طرح کہ لفظ حاتم، جود و سخاوت کی دلالت میں مشہور ہے''۔(۱)

اس لیے ذیل کی سطور میں آپ کے معاصر علمائے افاضل، ممتاز تلامذہ اور استناد و اعتقاد کے عنوان: محققین و مؤلفین کی زبانی حفظ و یادداشت کے چند واقعات زیب قرطاس کیے جا رہے ہیں:

حضرت مدنیؒ کا ارشاد

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند و صدر جمعیۃ علمائے ہند فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے مجھ سے خود فرمایا:

> ''جب میں کسی کتاب کا سرسری نظر سے مطالعہ کرتا ہوں اور اس کے مباحث کو محفوظ رکھنے کا ارادہ بھی نہیں ہوتا، تب بھی پندرہ سال تک اس کے

(۱) حیات انور، ۱/۱۴۲، حسن صورت، حسن سیرت اور نور تقوی۔

مضامین مجھے محفوظ رہ جاتے ہیں''۔(۱)

صاحبِ نزہۃ الخواطر کا بیان

ابن خلکان ہند مولانا عبدالحی حسنیؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے حافظے، یادداشت اور جامعیتِ علوم کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

''كان الشيخ أنـــور نادرة عصره في قوة الحفظ، وسعة الاطلاع على كتب المتقـــدمين، والتضلع من الفقه والأصول، والرسوخ في العلوم العربية الدينية، والتفسير والحديث وعلوم الحكمة، يستظهر ماقرأه في ريعان شبابه، وماطالعه في مكتبة، يسرد منه العبارات، وينقل منه، فلا يُخِلّ بمعنى''(۲)

''مولانا انور شاہ قوتِ حافظہ، علمائے متقدمین کی کتابوں پر وسعتِ نظر، فقہ واصولِ فقہ میں مہارت، دینی عربی علوم، تفسیر حدیث اور علوم حکمت وفلسفہ میں رسوخ میں اپنے زمانے میں یگانہ وبے مثل تھے۔ جو بات انھوں نے عنفوانِ شباب میں پڑھ لی اور کسی لائبریری میں دیکھ لی، اس سے عبارت کی عبارت نقل کرتے جاتے اور اس طرح سے کہ معنی ومفہوم میں ذرا بھی فرق نہ پڑتا''۔

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی زبانی

دارالعلوم دیوبند کے منفرد دیدہ ور منتظم اور رجال ساز مہتمم: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ نے شاہ صاحب کے حافظے کی بابت کتنی سچی بات کہی ہے:

''شاہ صاحب کا دماغ تو ایک کتب خانہ ہے، جس علم کی جس وقت کوئی کتاب، اپنے دماغ کے کتب خانے سے اٹھانا چاہتے ہیں، بے تکلف اٹھا لیتے ہیں''۔(۳)

(۲) مقدمہ انوار الباری، جلد۲، ص:۲۴۱، بے نظیر قوت حافظہ وسرعت مطالعہ وغیرہ۔

(۱) نزہۃ الخواطر، ۹۲/۸، حرف الالف۔ ط: مجلس تحقیقات ونشریات، ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(۳) نقش دوام، ص:۱۲۷، بے نظیر حافظہ۔

مولانا منظور نعمانیؒ کے تجربات

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی تلمیذ علامہ کشمیریؒ، حضرت شاہ صاحبؒ کے حافظے کی بابت اپنے چند ذاتی تجربات رقم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ کی حاضری میں، ترمذی شریف کی عبارت کا میں نے حوالہ دیا اور عرض کیا کہ اس عبارت میں یہ اشکال ہے، بہت غور کیا لیکن حل نہ ہوسکا۔ فرمایا مولوی صاحب! آپ کو یاد نہیں رہا، مجھے خوب یاد ہے۔ جس سال آپ دورے میں تھے، اس موقع پر میں نے بتایا تھا کہ یہاں ترمذی کے اکثر نسخوں میں ایک غلطی واقع ہوگئی ہے، لیکن لوگ سرسری طور پر گزر جاتے ہیں اور انھیں پتہ نہیں چلتا۔ ورنہ جو اشکال آپ کو پیش آیا، سب کو پیش آنا چاہیے۔ پھر فرمایا صحیح عبارت اس طرح ہے... اللہ اکبر! یہ بات بھی یاد رہتی تھی کہ فلاں سال اس موقع پر سبق میں یہ بات بتلائی تھی''۔(۱)

مولانا موصوف ہی کو سورۂ نساء کی ان آیات کے سن نزول کی شدید جستجو تھی، جو چوری اور دھوکہ دہی کے ایک خاص واقعہ کی بابت نازل ہوئی تھیں۔ لکھتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے میں ان آیات سے متعلق جملہ کتبِ تفسیر کا مطالعہ کیا، مگر سنہ معلوم نہ ہوسکا۔ تھک ہار کر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا:۔

''اور عرض کیا کہ مجھے فلاں واقعے کے سن وقوع کی تلاش ہے، کتابوں میں دیکھا مگر مجھے نہیں ملا۔ فرمایا کون کون کتابیں آپ نے دیکھیں؟ میں نے تفسیر ابن جریر، ابن کثیر و معالم وغیرہ چند تفسیروں کے نام لیے، فرمایا درّ منثور میں نہیں دیکھا؟ میں نے عرض کیا کہ درّ منثور کا نسخہ اس وقت کتب خانہ میں موجود نہیں تھا... فرمایا جاؤ، اس میں دیکھ لو، اس میں مذکور ہے۔ چناں چہ تلاش کر کے درمنثور میں دیکھا تو

(۱) حیات انور، ۱/۱۶۲-۱۶۳، یادداشت کے متعلق اپنے بعض تجربے۔

ابن سعد کی ایک روایت میں صریح الفاظ اس میں موجود تھے "كان ذلك في شهر ربيع، سنة أربع" کہ یہ واقعہ ماہِ ربیع ۴ھ میں پیش آیا"۔(۱)

اس پر خود مولانا موصوف ہی کا تاثر و تبصرہ سنیے!

"گویا جو چیز بھی کسی کتاب میں کبھی حضرت شاہ صاحبؒ نے دیکھی تھی، وہ حافظہ کے خانہ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگئی تھی"۔(۲)

مولانا بنوریؒ کی شہادت

حضرت شاہ صاحب کے نام ور تلمیذ اور آپ کے علوم کے شارح وامین: حضرت مولانا بنوریؒ کی شہادت ملاحظہ فرمایئے!

"شاہ صاحبؒ نے فتح القدیر مع تکملہ (۸/جلدوں) کا ۱۳۲۱ھ میں بیس دن کے اندر مطالعہ کیا تھا اور اس طرح سے کیا تھا کہ کتاب الحج تک اس کی تلخیص بھی فرمائی اور صاحبِ فتح القدیر نے صاحبِ ہدایہ پر جتنے اعتراضات کیے ہیں، اپنی تلخیص میں ان سب کا جواب بھی سپردِ قلم کیا۔ پھر زندگی بھر مباحث و مذاہب کی نقل میں فتح القدیر کے مطالعے کی ضرورت نہ پڑی۔ اور ۱۳۴۷ھ میں دورانِ سبق، تحدیث بالنعمۃ اور طلبہ میں شوقِ مطالعہ پیدا کرنے کی غرض سے ذکر فرمایا کہ چھبیس سال ہوگئے، فتح القدیر کی طرف مراجعت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ مگر جو مضمون اس کا بیان کروں گا، اگر مراجعت کروگے تو تفاوت بہت کم پاؤ گے"۔(۳)

علامہ بلیاویؒ کا اعتراف

دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر المدرسین اور علوم عقلیہ بالخصوص منطق و فلسفہ میں اپنے وقت کے امام: حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کا اپنا تجربہ سنیے!

"دارالعلوم کے کتب خانہ میں، قلمی ذخیرہ میں منطق کی ایک اہم اور

---

(۱) حیاتِ انور، ۱/۱۶۳-۱۶۴۔ (۲) حیاتِ انور، ۱/۱۶۳-۱۶۴۔

(۳) نفحۃ العنبر، ص: ۲۷، استبحارہ المدهش فی علوم الروایة والدرایة۔

نایاب کتاب ملنے پر میں نے اس کا مطالعہ کیا۔ایک جگہ مجھے اشکال پیش آیا، بڑی کدو کاوش کے باوجود حل کرنے میں عاجز رہا، مجبور ہو کر شاہ صاحبؒ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا عبارت غلط لکھی گئی ہے۔ریاست ٹونک کے کتب خانہ کے مخطوطات میں، میں نے مطالعہ کیا تھا، صحیح عبارت یہ ہے۔صحیح عبارت کے سامنے آنے سے ہی سارا خلجان دور ہو گیا''۔(۱)

حضرت شیخ الادب کا مشاہدہ

شیخ الادب والفقہ، شیخ الہندؒ کے فیض یافتہ: حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی زبانی، میرٹھ میں ایک غیر مقلد عالم اور شاہ صاحب کے مابین ہونے والے مناظرے کے تعلق سے شاہ صاحب کے حافظے کی بابت شہادت ملاحظہ ہو:

''جمعہ کے بعد متعین مسجد میں طلبہ، علماء اور عوام کا بے پناہ ہجوم، اس فیصلہ کن مناظرہ کو دیکھنے کے لیے دور، دور سے سمٹ آیا۔اچانک ایک جانب سے ایک نوجوان آتا ہوا دکھائی دیا، معلوم ہوا کہ یہی مولانا انور شاہ ہیں، جو مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس ہیں۔ بوڑھے تجربہ کار، کہنہ سال، سرد و گرم چشیدہ مناظر کے مقابلہ میں اس نوجوان کو دیکھ کر دل دہل گئے۔مناظرہ شروع ہوا تو مولانا انور شاہ صاحب نے حریف کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اہل حدیث ہیں اور حافظِ حدیث ہونے کے دعویدار۔اگر یہ سچ ہے تو بخاری شریف کے کچھ صفحات آپ مجھ کو سنا دیجیے۔مناظر عالم نے لوٹ کر کہا کہ آپ ہی کچھ سنائیں۔اس نوجوان نے کھڑے کھڑے ''باب کیف کان بدء الوحی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' سے بسم اللہ پڑھ کر جو ابتدا کی، تو بخاری شریف کے پچیس تیس صفحہ مسلسل پڑھنے کے بعد سراپا حیرت مجمع میں حریف سے یہ پوچھنے لگے کہ جو کچھ پڑھ چکا ہوں، کافی ہے یا اور پڑھوں''۔(۲)

---

(۱) نقش دوام، ص:۱۳۲، بے نظیر حافظہ۔

(۲) ایضاً، ص:۱۲۷۔

مولانا بنوریؒ کی ایک اور شہادت

حضرت مولانا بنوریؒ کی ایک اور شہادت سنتے چلیے!

''طلاق کے ایک معاملے میں علمائے کشمیر میں باہم اختلاف ہوگیا۔ ہر فریق کے پاس اپنے اپنے دلائل تھے۔ اسی اثناء میں حضرت شاہ صاحب کشمیر تشریف لے گئے۔ آپ کی ذات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں فریق نے آپ کو فیصل اور حکم مان لیا۔ دونوں فریقوں نے اپنے اپنے فتاویٰ مع دلائل تحریری شکل میں حضرت شاہ صاحب کے سامنے پیش کیے۔ ان میں سے ایک فریق نے اپنی تائید میں غیر مطبوعہ ''فتاویٰ عمادیہ'' کی ایک عبارت نقل کر رکھی تھی، شاہ صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ نقل عبارت میں تحریف وتزویر سے کام لیا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔ اور فرمایا کہ ''فتاویٰ عمادیہ'' کا ایک صحیح نسخہ مخطوطہ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں ہے، اسے میں نے دیکھا ہے۔ اس میں یہ عبارت نہیں ہے۔ اس پر سارے حاضرین ششدر رہ گئے اور اس فریق نے اپنی تدلیس کا اعتراف کر لیا''۔(۱)

اس بحث کے آخر میں خود حضرت شاہ صاحبؒ کی زبانی بڑھاپے میں ضعفِ حافظہ کی شکایت بھی ملاحظہ فرمائیں، تاکہ ''قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا'' کے بہ موجب عالم شباب وکہولت کی حالت کا آپ خود ہی اندازہ کرلیں۔ مولانا منظور نعمانیؒ بیان کرتے ہیں:

''اپنے حافظے کے انحطاط پر رنج وافسوس کا اظہار کرتے ہوئے ایک دن فرمایا پہلے میرا یہ حال تھا کہ اگر آج ایک مضمون متعدد کتابوں میں دیکھوں اور مجھے ان کتابوں کی عبارتیں نقل کرنی ہوں، لیکن کسی وجہ سے آج نقل نہ کرسکوں اور کل بھی موقع نہ ملے تو برسوں تک بھی اس پر قدرت رہتی تھی کہ ہر کتاب کی اصل عبارت، صفحہ کے حوالے کے ساتھ دوبارہ کتاب دیکھے بغیر نقل کرسکتا تھا۔ لیکن اب حافظہ اتنا کمزور ہو چکا ہے کہ صبح کی دیکھی ہوئی کتابوں کی عبارتیں شام تک تو نقل کرسکتا ہوں، لیکن رات درمیان گذر جانے کے بعد کل نقل نہیں کرسکتا''۔(۲)

(۱) نفحۃ العنبر، ص:۲۷، ۲۸، استبحارہ المدھش فی علوم الروایۃ والدرایۃ۔

(۲) حیات انور، ۱/۱۶۱، حیرت انگیز یادداشت۔

انہماک علم، وسعتِ مطالعہ اور دقتِ نظر

حضرت علامہؒ کو اپنے بے نظیر حافظے کے باوجود، کسل مندی اور غفلت شعاری سے طبعی نفرت تھی۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ آپ کی نظر میں گراں قدر تھا اور آپ اسے گراں بہا بنادینے کے خوگر تھے۔ اس میں کسی علم وفن اور جدید وقدیم کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ انہماک علم کی یہ شان تھی کہ بہ قول مؤلف نقش دوام:

مطالعہ کا طریقہ

''جس فن کی کتاب ہاتھ لگ جاتی، اس کا پورا مطالعہ کیے بغیر نہ چھوڑتے۔ اگرچہ آپ کا خصوصی ذوق ورجحان دینیات کی طرف تھا، لیکن مطالعہ کے شغف اور انہماک کی وجہ سے ہر فن کی کتاب نظر سے گزری تھی''۔ (۱)

مولانا مشیت اللہ بجنوریؒ کا بیان

آپ کے رفیق درس اور مخلص ومحسن: حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوریؒ زمانۂ طالب علمی میں آپ کے شوقِ کتب بینی اور انہماک علم کی بابت اپنا مشاہدہ یوں بیان کرتے ہیں:

یہ کشمیری ہم عمر نوجوان، رات گئے تک مطالعہ میں مصروف رہا اور نصف شب کے بعد جب نیند کا غلبہ ہوا تو وہیں کنڈلی مار کر پڑ گیا اور تھوڑی دیر آنکھ جھپک کر اٹھا اور وضو کر کے نوافل تہجد میں مشغول ہوگیا۔ نوافل سے فراغت ہوئی تو پھر مطالعے میں مشغول ہوگیا''۔ (۲)

شغفِ مطالعہ کی روداد

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ، مدرسہ امینیہ میں اپنی طالب

---

(۱) نقش دوام، ص: ۱۳۳؍ وسعت نظر اور سرعت مطالعہ۔

(۲) حیات انور، ۱؍۴، ۲۷، حضرت شاہ صاحب اور دارالعلوم دیوبند تحریر: مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ۔

علمی کے وقت حضرت شاہ صاحبؒ کے شغف مطالعہ کی حکایت یوں ذکر کرتے ہیں:

''جن ایام میں حضرت شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں مدرسہ امینیہ میں پڑھتا تھا، حضرت شاہ صاحب ڈیڑھ پیسے کی روٹی منگا کر کھایا کرتے تھے۔ سارا دن درس متعدد علوم وفنون کا دیتے۔ دوپہر کو شدتِ گرما جون اور جولائی کے مہینے میں کتب بینی فرماتے، جب کہ ہر شخص دوپہر کو نیند کے مزے لیتا ہوتا تھا۔ موسم سرما میں دیکھا گیا ہے کہ بعد نماز عشاء صبح صادق تک مطالعہ فرمارہے ہیں اور اوپر کی رضائی کہیں سے کہیں پڑی ہوئی ہے۔ مغرب سے عشاء تک ذکر ومراقبے میں مشغول رہتے''۔(۱)

لگے ہاتھ مولانا عبدالحیٔ حسنی کی مؤرخانہ شہادت بھی سن لیجیے!

''ظلّ الشیخ عاکفاعلی الدرس والإفادة،منقطعاًإلی مطالعة الکتب، لا یعرف اللذة في غیرها''(۲)

''مولانا انور شاہ صاحب ہمیشہ درس وتدریس، فیض رسانی میں مشغول اور مطالعۂ کتب میں منہمک رہے۔ انہیں کتب بینی کے سوا کسی اور چیز میں مزہ نہیں آتا تھا''۔

علامہ کشمیریؒ کے الفاظ میں

اس لیے اگر حضرت شاہ صاحبؒ اپنی بابت خود یہ فرمائیں تو اسے محض ادّعا نہیں قرار دیا جاسکتا:

''میں ہر وقت فکرِ علم میں مستغرق رہتا ہوں، بجز ان اوقات کے جب نیند کا شدید غلبہ ہو''۔(۳)

(۱) حیات انور، ۱/۳۰۶، حضرت الاستاذ محدث کشمیریؒ، تحریر: مولانا محمد انوری لائل پوری۔

(۲) نزہۃ الخواطر، ۸/۹۱۔

(۳) حیات انور ۲۷/۷، حضرت شاہ صاحب کا تبحر علمی اور ذوق مطالعہ، تحریر: حضرت مولانا سید محمد ادریس صاحب سکروڈوی، ایضاً، حوالہ بالا۔

چشم دید شہادت

حضرت علامہ کشمیری کے تلمیذ اور خادم خاص: جناب مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈوی، حضرت شاہ صاحب کی شبانہ روز انہاک علمی کی چشم دید شہادت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحب''لیل ونہار، صبح وشام کتب بینی میں مصروف رہتے تھے۔ جس وقت بھی کوئی دیکھنا چاہے تو کتاب کے مطالعے ہی میں دیکھے گا۔ کتاب سے الگ ہوکر بھی فکر، خیال کتاب ہی میں رہتا تھا۔ شب میں چند گھنٹوں کے سوا، جن میں آپ سو جاتے، بیش تر حصہ، کتب کے مطالعے ہی میں صرف ہوتا تھا۔ ابتدائے شب میں ۱۲/ بجے تک کتاب دیکھتے۔ نیند کے غلبہ سے جب عاجز ہوجاتے، سوجاتے اور دو ایک گھنٹے کے بعد اٹھ کر وضو فرماتے اور کتاب لے کر بیٹھ جاتے۔ صبح صادق ہونے تک مطالعے میں گزار دیتے اور صبح کی نماز کے بعد پھر کتاب کے مطالعے میں مشغول ہوجاتے''۔(۱)

اس انہاکِ علم، کتب بینی کے وفورِ شوق، کتابوں کی صحرا نوردی اور مطالعے کی لذت کوشی ہی کا نتیجہ تھا کہ نہ صرف دینی علوم: تفسیر وحدیث، فقہ وفتاویٰ پر آپ کو عبور تھا، بلکہ تاریخ، جغرافیہ، طب، رمل، ہیئت ونجوم اور فلسفہ ومنطق وغیرہ علوم پر بھی آپ کی ناقدانہ ومحققانہ اور مجتہدانہ نظر تھی۔

جملہ علوم وفنون پر محققانہ نظر

خود ہی ایک بار فرمایا:

''الحمدللہ میں کسی فن میں کسی کا مقلد نہیں ہوں۔ ہر فن میں میری مستقل

---

(۱) حیات انور، ۲/ ۷۔

رائے ہے۔ بجز فقہ کے کہ فقہ میں کوئی رائے نہیں رکھتا۔ صرف امام اعظم کا مقلد ہوں۔ ہر فن کی اساسی شخصیتوں اور ان کے افکار پر میرے تعقبات ہیں، جنھیں میں پیش کروں تو سلیم الفکر ان کا انکار نہیں کریں گے"۔(۱)

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ لکھتے ہیں:

"اسلامی علوم وفنون کے دائرے کا شاید ہی کوئی علم یا فن ہوگا، جس سے شاہ صاحبؒ کو دلچسپی نہ تھی اور ہر ایک علم وفن کے اصولی مسائل کے متعلق کوئی خاص تحقیقی نظریہ وہ نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ عہدِ حاضر کے جدید کار آمد علوم کے صحیح معلومات کا بھی کافی ذخیرہ ان کے پاس موجود تھا۔ خصوصاً ہیئت (اسٹرانومی) کی جدید اصطلاحات کا انھوں نے تحقیقی وتفصیلی مطالعہ کیا تھا"۔(۲)

علم جفر ورمل اور نجوم ظاہر ہے کہ اس کا دینی علوم سے دور کا بھی واسطہ نہیں، نہ ہی علمائے دین اس سے شغف رکھتے ہیں، مگر یہ شاہ صاحب کی وسعتِ علم ونظر ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ حضرت شاہ صاحب ان کے مالہ وماعلیہ سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ مولانا محمد ادریس صاحب سکروڈوی لکھتے ہیں:

"پنجاب کے ایک بزرگ کا حلقہ کافی وسیع تھا، جفر ورمل کے ماہر تھے۔ ایک بار آپ کی خدمت میں سفر کرکے پہنچے اور چند روز رہ کر باقاعدہ اس فن پر آپ سے استفادہ کیا۔ بعد میں انھوں نے بیان کیا کہ مجھے اس کی امید تک نہ تھی کہ حلقۂ علماء میں اس فن کے رموز واسرار کا ایسا شناسا بھی موجود ہوگا"۔(۳)

انکشافِ حقیقت

اس مناسبت سے عصری ودینی دونوں گلستانوں کے خوشہ چین: مولانا سعید احمد

---

(۱) نقشِ دوام، ص:۱۴۴، بیعت وخلافت۔

(۲) حیات انور، ۱/۹۰ حضرت شاہ صاحب کی درسی خصوصیات۔

(۳) نقش دوام، ص:۱۱۶، جفر ورمل۔

اکبرآبادی کی زبانی یہ انکشافاتِ حقیقت بھی سنتے چلیے:

''اس کا علم شاید کم ہی لوگوں کو ہوگا کہ حضرت الاستاذؒ موجودہ سائنس یعنی فزیکس اور بیالوجی کا بھی بڑا وسیع مطالعہ رکھتے تھے اور ان علوم میں بھی ان کی نظر مبصرانہ تھی، آئزک نیوٹن اور دوسرے علمائے سائنس کی کتابوں کے تراجم، عربی زبان میں ہو چکے ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے انہی تراجم کی مدد سے ان علوم کا مطالعہ کیا تھا اور ان میں اس درجہ درک وبصیرت پیدا کرلی کہ طلبہ کی ایک مخصوص جماعت کو جن میں ایک مولانا بدر عالم صاحب مؤلف ''ترجمان السنہ'' بھی تھے، باقاعدہ سائنس کا درس دیتے تھے''۔(۱)

وسعتِ مطالعہ

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، مؤلف ''معارف السنن'' شرح السنن للترمذی (عربی) حضرت شاہ صاحب کے وسعتِ مطالعہ کی بابت لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحب کا مطالعہ اناجیل اربعہ، اسفارِ عہد عتیق مع شروح پر حاوی تھا۔ آپ عبرانی زبان سے بہ خوبی واقف تھے اور عبرانی زبان ہی میں توریت کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ توریت کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت سے متعلق کئی ایک آیات آپ کو زبانی یاد بھی تھیں۔ ایک صبح کو کشمیر کے بعض عیسائی پادریوں کے ساتھ مناظرہ طے ہوگیا تو صرف ایک رات سے عہد قدیم وجدید سے ایک سو بشارتیں حضور اکرم کی نبوت ورسالت کی بابت جمع کرلیں اور مناظرے میں پادریوں کو شکست فاش دی''۔(۲)

وسعتِ مطالعہ اور جامعیت علم کی بابت، شارح مشکاۃ المصابیح: حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی شہادت حقہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حیات انور، ۲/۲،۳، علامہ انور شاہ اور فلسفۂ جدید، تحریر: مولانا سعید احمد اکبرآبادی۔
(۲) نفحۃ العنبر، ص: ۹۵، الشیخ واسانیدہ فی الحدیث۔

''جب کوئی عالم کسی مسئلے میں شاہ صاحب کی طرف مراجعت کرتا تو مسئلے کا مادہ اس کے سامنے کر دیتے اور اس کے بعد اپنا فیصلہ بھی بتا دیتے کہ اس مختلف فیہ مسئلے میں میری یہ رائے ہے''۔(۱)

نیز اپنا ذاتی تجربہ بیان کرتے ہیں کہ:

''بارہا حضرت شاہ صاحب سے کسی مسئلے کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک ہر مسئلہ طے شدہ ہے۔اختلاف اقوال کی وجہ سے تذبذب اور تردد نہیں، بلکہ راجح اور مرجوح متعین ہے''۔(۲)

وسعتِ مطالعہ کے ساتھ سرعتِ مطالعہ

اس بے مثال وسعتِ مطالعہ اور جامعیتِ علم کے ساتھ ساتھ، سرعتِ مطالعہ میں بھی آپ بے عدیل تھے۔خاتم المحدثین اور دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحب فرماتے ہیں:

''میرا جس سال دورہ تھا، حضرت کے کمرے سے متصل ہی میرا کمرہ تھا۔ اس لیے آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے ہوئے گاہے گاہے میرے کمرے پر رک جاتے۔ایک بار میں ''فتح الباری'' شرح بخاری کا مطالعہ کر رہا تھا۔ دریافت فرمایا کہ روزانہ کتنے صفحات کا مطالعہ کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا تیس پینتیس صفحات کا مطالعہ معمولاً جاری ہے، ارشاد ہوا کہ بہت کم مقدار ہے، میں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں بیس روز میں فتح الباری کی تیرہ جلدیں مکمل دیکھ ڈالی تھیں''۔(۳)

دقتِ نظر

اس سرعت کتب بینی اور برق رفتاری مطالعہ کے باوصف، حضرت علامہ کی

---

(۱) حیات انور، ۱؍۱۳۷، علم وفہم اور حافظہ۔

(۲) حیات انور: ۱؍، ص: ۱۳۸۔

(۳) نقش دوام، ص: ۱۱۴، علمی انہماک

دقتِ نظر اور فہم رسا کی شان عبقریت سنیے اور سر دھنیے۔ احادیث رسول کے عظیم ترین و مستند ترین ذخیرے "مسند احمد ابن حنبل" کی کیفیت مطالعہ کی بابت مولانا احمد رضا صاحب بجنوری لکھتے ہیں:

"سرعتِ مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ مسند احمد (مطبوعہ مصر) کے روزانہ دوسو صفحات کا مطالعہ فرمایا اور وہ بھی اس شان سے کہ اس عظیم الشان ذخیرے میں سے احناف کی تائید میں جس قدر احادیث ہو سکتی تھیں، وہ بھی منتخب اور محفوظ کر لیں اور پھر جب کسی درس میں مسند کی احادیث کا حوالہ دینا ہوتا تو ہمیشہ بغیر مراجعت کے دیتے تھے اور روات و طبقات پر بھی بے تکلف بحث فرماتے تھے"۔(۱)

یہاں مولانا بنوریؒ کی وہ شہادت پھر دہرانے دیجیے، جو حضرت شاہ صاحب کی قوتِ حافظہ کے ذیل میں، انہی کے حوالے سے درج مضمون کی جا چکی ہے:

"کہ حضرت شاہ صاحب نے ۱۳۲۱ھ میں فتح القدیر لابن ہمام کا مع تکملہ بیس دن کے اندر مطالعہ فرمایا اور اس طرح کہ کتاب الحج تک اس کی تلخیص فرمائی اور ابن ہمام نے فتح القدیر میں، صاحبِ ہدایہ پر جو اعتراضات کیے ہیں، اپنے خلاصے میں ان کے مکمل جوابات بھی قلم بند کیے"۔

بالغ نظری اور خداداد فہم و فراست کے حوالے سے مولانا کاندھلویؒ کا یہ مبنی بر حقیقت تبصرہ بھی ملاحظہ ہو:

"فہم کا یہ حال تھا کہ ہر مسئلے کی اصل اور اس کا سرا معلوم تھا۔ اصل کلی کے بتلا دینے کے بعد یہ بتلا دیتے تھے کہ فلاں فلاں مسئلہ اس پر متفرع ہے اور ان مسائل میں مابہ الاشتراک اور مابہ الاختلاف یہ ہے"۔(۲)

لہٰذا اس آسمان علم و معرفت سے فضل و کمال کے ستارے وہی توڑ سکتا ہے، جس کی پرواز میں خود اتنی طاقت و ہمت ہو کہ وہ ستاروں پر کمند ڈال سکے۔ ورنہ ہماشا

(۱) مقدمہ انوار الباری، ۲/ ۲۲۴، بے نظیر حافظہ و سرعت مطالعہ وغیرہ۔

(۲) حیات انور، ۱/ ۱۳۸، علم و فہم اور حافظہ۔

تو ظاہر ہے کہ ''ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم'' کی تصویر ہی نظر آئیں گے۔ غالباً اس کا احساس حضرت شاہ صاحب کو بھی تھا، چناں چہ مولانا محمد منظور نعمانیؒ لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ خود فرمایا بعض اوقات بہت نیچے اتر کر بات کرتا ہوں، لیکن پھر بھی لوگ نہیں سمجھتے''۔(۱)

اس لیے اگر حضرت علامہ کے افادات و امالی درس کے جمع و ترتیب میں تلامذہ سے غلطیاں ہوگئی ہوں تو کچھ عجیب نہیں۔ چناں چہ ''انوار الباری'' کا مطالعہ کرنے والے جابجا مؤلف کی جانب سے مرتب ''فیض الباری'' اور مرتب ''معارف السنن'' پر نقد وتبصرہ ملاحظہ فرمائیں گے۔ بایں ہمہ علامہ کے علوم کی حفاظت واشاعت کے حوالے سے یہ کتابیں زریں اور وقیع خدمات کا درجہ رکھتی ہیں۔

اس بے عدیل و بے مثیل قوت حافظہ، وسعت مطالعہ، دقتِ نظر اور جامعیت علم کے ہوتے ہوئے، اگر حضرت علامہ کشمیری کو بعض دفعہ طویل وضخیم کتابوں کی ورق گردانی کے بعد کوئی نئی بات معلوم نہ ہو اور ان کی معلومات میں کسی بات کا اضافہ نہ ہو تو یہ عین قرین قیاس ہے۔ چناں چہ علامہ خود فرمایا کرتے تھے:

تحدیثِ نعمت

''میں بعض اوقات طویل اور ضخیم وعریض کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں، لیکن کوئی علمی نکتہ میرے ہاتھ نہیں لگتا۔ اگر مطالعہ کے دوران ایک آدھ بات بھی میرے ہاتھ لگ جاتی ہے تو پھر مجھے اپنی طویل محنت وکاوش پر افسوس نہیں ہوتا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی بھی میں نے جملہ تصانیف کا مطالعہ کیا، لیکن افسوس کہ ایک مسئلہ کے علاوہ کوئی مفید یا نئی بات میرے ہاتھ نہیں لگی''۔(۲)

❁❁❁

(۱) حیات انور، ۱/۱۵۵، وسعت مطالعہ کے ساتھ دقت نظر۔

(۲) نفحة العنبر، ص:۱۰۶، الشیخ والتألیف وبیان خوضه فی الحقائق، مطبوعہ: بیت الحکمت دیوبند ۱۴۱۴ھ

علمی فرمودات، تحقیقات وتفردات

حضرت علامہ کی ژرف نگاری، جامعیت علوم وفنون، ہمہ جہتی اور ہمہ گیری اور علم کے میدان میں تجدیدی وانقلابی مرتبت ومنزلت کا کسی قدر صحیح اندازہ، ان جواہر پاروں سے لگایا جاسکتا ہے، جو آپ کی زبان وقلم سے چار دہائیوں پر مشتمل، درس حدیث اور سینکڑوں تالیفی صفحات میں بہ کثرت اور ہر علم وفن سے متعلق بکھرے ہوئے ہیں۔ ذیل کی سطور میں انہی میں سے چند شہ پاروں کو زینت قرطاس بنایا جارہا ہے۔

قرآن کی معجز بیانی

اعجاز قرآنی، تفسیر قرآن کا اہم ترین پہلو ہے۔ تاہم شان اعجاز کی کیفیت کی بابت علمائے امت کا اختلاف رہا ہے کہ قرآن سراپا اعجاز ہے، یا اس کا کوئی خاص گوشہ؟ حضرت علامہ کشمیریؒ قرآن وعلوم قرآن پر طویل تدبر وتفکر، عمیق مطالعہ اور وسیع معلومات کی روشنی میں یہ محسوس کرتے تھے کہ قرآن کی معجز بیانی کے بحر ناپیدا کنار کو کسی ایک، مثلاً بلاغی پہلو کے ساتھ خاص کرنا، انصاف نہیں ہے۔ الکشمیری الامام اعجاز قرآن کے اسرار ورموز کے نکتہ شناس علماء کے حوالے سے معروف مقولے "لم يدرِ إعجاز القرآن إلا الأعرجان: أحدهما من زمخشر، وثانيهما من جرجان" میں یہ اضافہ فرماتے "وأنا ثالثهما" (۱) جس سے اس علم وفن میں ان کی عبقریت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس بنا پر جب وہ فرماتے ہیں کہ قرآن ہر پہلو سے شان اعجاز کا حامل ہے تو اس کے پیچھے ژرف نگاہی اور وسعت وگیرائی کی مضبوط اساس ہے۔ خود علامہ کے الفاظ ہیں:

"قرآن مجید وحکیم کا اعجاز، مفردات اور ترکیب وترتیب کلمات اور مقاصد وحقائق کی جملہ وجوہ سے ہے۔ مفردات میں قرآن مجید وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے، جس سے

(۱) يتيمة البيان لمشكلات القرآن، ص:۸۲، وجه الإعجاز، ط: دوم، ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۶ء المجلس العلمي، کراتشي۔

اوفی بالحقیقت وادفی بالمقام ثقلین نہیں لاسکتے"۔(۱)

اسلوب قرآن

قرآن کے اسلوب بیان کے تعلق سے حضرت علامہ کشمیری کی رائے تھی کہ:

"قرآن کا اسلوب، تالیف وترتیب کا نہیں، بلکہ خطیبانہ اسلوب ہے، جو سامعین کا لحاظ رکھتا ہے اور حسب موقع گفتگو کا رخ بدلتا رہتا ہے۔قرآن واقعات کی کھتونی اور حیات ووفات کا رجسٹر نہیں بننا چاہتا، بلکہ اس کا مقصد تذکیر ونصیحت اور عبرت وموعظت ہے۔اس لیے واقعات کا بھی اسی حد تک ذکر کرتا ہے اور اجمال وتفصیل سے کام لیتا رہتا ہے"۔(۲)

نسخ آیات

قرآن میں نسخ کے متعلق قدماء میں بھی بہت توسع ہے کہ ان کے نزدیک عام کی تخصیص اور خاص کی تعمیم بھی نسخ ہے، ایسے ہی مطلق کی تقیید اور تقیید کا اطلاق اور استثناء اور ترک استثناء بھی نسخ ہے، ایسے ہی حکم کی انتہا، اس کی علت کی انتہا کی وجہ سے بھی اس میں داخل ہے۔متاخرین کی سعی اس میں رہی کہ نسخ میں کمی ثابت کی جائے حتیٰ کہ امام جلال الدین سیوطی نے صرف بیس آیات کو منسوخ بتایا ہے اور ہمارے اکابر میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے صرف پانچ جگہ نسخ تسلیم کیا ہے۔جب کہ حضرت علامہ کشمیریؒ نے فرمایا:

"میرے نزدیک قرآن متلو میں کوئی آیت بالکلیہ منسوخ نہیں کہ اس کا کوئی محمل ہی نہ نکل سکے، بلکہ اس کا حکم کسی مرتبہ میں مشروع ضرور رہے گا"۔(۳)

---

(۱) یتیمۃ البیان لمشکلات القرآن، ص:۱۰۹، اعجازہ بالمفردات، ط: طبع دوم، مجلس علمی، ڈابھیل۔

(۲) حیات انور، ۲/۱۶۰، چند تفسیری نکتے، علامہ انور شاہ کشمیری کے افکار وخیالات تحریر: مولانا شمس تبریز خاں۔

(۳) ملفوظات محدث کشمیری، ص:۳۳۵، ۳۳۶، مرتبہ: مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوریؒ۔

تفسیر بالرای سے مراد

قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کے تعلق سے ''تفسیر بالرای'' کا محمل ومراد ایک اہم مسئلہ ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کے پیش نظر کہ ''جس نے رائے سے تفسیر کی تو اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا'' یہ خیال ظاہر کیا کہ قرآن کی تشریح کوئی نہیں کرسکتا، یا جو کچھ کہا جائے ضروری ہے کہ وہ قرآن وحدیث سے تمام تر ماخوذ ہو، اس سے ادنی انحراف ''تفسیر بالرای'' میں داخل ہوگا۔ اسی لیے امام رازی کی معرکۃ الاراء تفسیر ''تفسیر کبیر'' کے بارے میں کہا گیا کہ ''فیه کل شیئ الا التفسیر'' جب کہ ایک دوسرے طبقے نے امام احمد بن حنبلؒ کے ارشاد گرامی ''ثلاثة کتب لیس لهاأصل: التفسیر والملاحم والمغازی'' (۱) قرآن کی تفسیر وتشریح کے تعلق سے اتنا توسع اختیار کیا اور ایسی مطلق العنانی دکھائی کہ ''دانش نو'' سے متصادم، قرآن کے ہر حکم کو قرآن سے خارج کردیا اور ایسی من مانی تشریح کی، جس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے، وہی سب کچھ قرآن میں نہیں ہے۔ اب ذرا سنیے کہ الکشمیری العلامہ کی رائے میں تفسیر بالرای کی اصل مراد کیا ہے؟ فیض الباری، شرح بخاری میں ان کا یہ ارشاد مذکور ہے:

''فاذا أوجب تغیراً لمسئلة متواترة أوتبدیلاً لعقیدة مجمع علیها، فذلك هو التفسیر بالرأی، وهو الذي یستوجب صاحبه النار'' (۲)

''قرآن کی ایسی تفسیر وتشریح جس سے دین کا کوئی متواتر مسئلہ یا مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ بدلتا ہو، وہ تفسیر بالرای ہے اور اس کا مرتکب جہنم کا مستحق ہوگا''۔

اختلاف مطالع کا اعتبار

فقہ کا ایک مشہور مسئلہ ''اختلاف مطالع'' کا ہے۔ اس سلسلے میں ائمہ ثلاثہ کے

(۱) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، ۵۳۸/۲۔

(۲) فیض الباری، ۱۵۶/۴۔

نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار ہے، جب کہ احناف کا معروف ومشہور قول یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، لہٰذا اگر دنیا کے کسی بھی علاقے میں چاند نظر آجائے تو دوسرے عام ممالک ومناطق میں بھی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔حضرت علامہ کشمیری کی اس مسئلہ میں یہ تحقیق ہے کہ:

''عام مصنفین سے اس کی تعبیر میں غلطی ہوگئی ہے اور اصل مسئلہ حنفیہ کا یہ ہے کہ ایک اقلیم میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں۔فرماتے تھے کہ مشرق ومغرب کے درمیان اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنا بداہۃً غلط ہے''۔(۱)

مسح علی العمامہ

فرمایا کہ مسح علی العمامہ میں حنفیہ کی جانب سے یہ جواب کہ آپ ﷺ مسح علی الراس کرتے ہوئے عمامہ کو درست کرنے لگے، راوی نے اس کو مسح علی العمامہ سمجھا، یہ تعبیر غلط ہے۔صحابہ اذکیائے امت میں سے تھے، اس سے صحابی کی فہم کی تغلیط ہوتی ہے، اس سے مشابہ جواب ابن العربی کا ہے۔اس جواب کی نوعیت ناقدین نے بدل دی، ابن العربی کا اصل جواب یہ ہے ''انه عليه السلام مسح على الرأس أصالة ووقع على العمامة تبعاً'' راوی صحابی نے بھی یہی حقیقت سمجھی۔اس میں صحابی کی تغلیط فہم کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔(۲)

إن الحرَّ من فيحِ جهنم

ایک موقع پر فرمایا حدیث کے قطعہ ''فان شدة الحر من فيح جهنم'' میں سوال کیا جاتا ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ کی رو سے شدت اور ضعف حرارت کا تعلق، شمس

(۱) تصویر انور، ص:۳۲۴، بعض مسائل میں آپ کی خاص تحقیق، مرتبہ: حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری، ط: ۱۴۲۵ھ-۲۰۰۴ء۔

(۲) حیات انور، ۲/۸۸، تفردات تحریر: مولانا مفتی محمود احمد صدیقی۔

کے قرب وبعد سے ہے، فیح جہنم کی اس میں کیا تاثیر؟ بہ طور یونانیین تو جواب یہ ہے کہ شدت وضعف حرارت کا موجب شمس کو قرار دینا ہی، خود ان کے اصولوں کی رو سے غلط ہے۔ کیوں کہ برودت وحرارت سے اجرام اثیریہ کا متصف ہونا، ان کے یہاں ممنوع ہے۔ قانون ابن سینا کے شارحین، اثبات حرارت وبرودت کے درپے ہوئے تو آخری درجے میں۔ بعض نے کہا کہ حرارت شعاعوں کے تحرک سے پیدا ہوتی ہے، باوجودے کہ ''شفاء'' میں تصریح ہے کہ شعاع، مقولۃ الکیف ہے تو کیا کیف بھی متحمل تحرک ہوسکتا ہے؟ فلسفۂ جدید والے کہتے ہیں ''أحر الاشیاء شمس'' ایک مختصر جواب بتلاتا ہوں، جو دوسرے مواقع میں بھی کار آمد ہوگا کہ اشیاء کے اسباب دو طرح کے ہیں: ظاہرہ وباطنہ۔ باطنہ کی مخبر شریعت ہے، ظاہرہ کی وہ منکر نہیں۔ (۱)

صفات باری

مولانا بدر عالم صاحب، شاہ صاحب کے افادات بخاری، معروف بہ ''فیض الباری'' میں لکھتے ہیں:

> ''عرش کو حدیث ترمذی کی وجہ سے حادث مانتے تھے۔ استواء کو تجلی کے معنی میں لیتے تھے، نہ کہ جلوس کے۔ ذات وصفات سبعہ میں اشاعرہ اور ماتریدیہ متفق ہیں، مگر صفات فعلیہ کے صرف ماتریدیہ قائل تھے۔ ہمارے یہاں صفات فعلیہ بھی صفات ذاتیہ کی طرح قدیم ہیں۔ ہاں ان کے متعلقات حادث ہیں۔ تین درجے قدیم اور چوتھا حادث ہے''۔ (۲)

قرآن کی تعبیرات

حضرت علامہؒ فرماتے ہیں کہ گردش لیل ونہار، آسمانوں، پہاڑوں کو دیکھنے اور

(۱) حیات انور، ۲/۹۱ تفردات۔ (۲) فیض الباری، ۴/۵۱۹۔

اس طرح کی دوسری چیزوں کی بابت قرآن، کا اندازِ تعبیر عام انسانوں کے باہمی انداز تعبیر اور احساسات ومشاہدات پر مبنی ہوتا ہے، اس کا مقصد اشیاء کی حقیقت آشکارا کرنا نہیں ہوتا۔ چناں چہ مولانا گیلانی لکھتے ہیں:

''اپنے احساسات وتاثرات کی تعبیر کا جو عام انداز انسانوں میں شائع وذائع ہے، قرآن مجید اسی رائج طریقے کو اختیار کر کے باتیں سمجھاتا ہے،...بہر حال رات اور دن کے الٹ پھیر کے واقعتاً اسباب خواہ کچھ ہی ہوں، زمین گھومتی ہو، یا آفتاب چکر رہا ہو، یا آسمان گردشوں میں ہو، قرآنی مباحث کے دائرے سے یہ سوالات خارج ہیں''۔(۱)

مولانا گیلانی آگے لکھتے ہیں:

''شاہ صاحبؒ یہی فرمایا کرتے تھے کہ اس سلسلہ میں اپنی تعبیروں کو عام انسانی احساسات کے مطابق اگر قرآن رہنے نہ دیتا، مثلاً رات دن کے اسی قصے میں اعلان کر دیتا کہ زمین کی گردش کا یہ نتیجہ ہے تو مطلب اس کا یہی ہوتا کہ جب تک زمین کی گردش کا مسئلہ طے نہ ہوتا، قرآن پر ایمان لانے سے لوگ محروم رہتے''۔(۲)

شاہ صاحب کا یہ نکتہ کس قدر اہم فوائد پر مشتمل ہے اور اس کی کیا قدر وقیمت ہے، اس کا اندازہ مولانا گیلانی جیسے باکمال عالم کے اس تبصرے سے لگایا جاسکتا ہے۔

''جہاں تک میں جانتا ہوں کھلے کھلے صاف الفاظ میں قرآن کے طریقۂ تعبیر کے اس پہلو کو شاہ صاحبؒ سے پہلے، شاید ہی کسی نے اس قوت کے ساتھ واضح کیا ہو''۔

مشکلات القرآن

مشکلاتِ قرآن کی بابت حضرت علامہ الکشمیریؒ فرماتے تھے:

''قرآنی مشکلات، حدیثی مشکلات سے زیادہ اہم وسنگلاخ ہیں، مگر امت

(۱۲۲) حیات انور، ۱۰۳/۱، تفردات۔ (۲) ایضاً: ص: ۱۰۵۔

کی عام توجہات حدیث کی طرف تو رہیں، لیکن قرآن کی جانب جیسی توجہ ہونی چاہیے نہیں کی گئی۔ بخاری پر حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری'' لکھ کر اس کے ہر حسین رخ سے نقاب کشائی کی ہے۔ مگر تفسیر کے پورے ذخیرے میں کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے، جو قرآن کریم کے جمیل ولطیف پہلوؤں سے پردہ اٹھا سکے''۔(۱)

تواتر کی چار قسمیں

احادیثِ نبوی کا ذخیرہ جو ہم تک پہنچا، اس میں رواۃ وناقلین کی ایک بڑی جماعت شریک ہے۔ اس اسناد اور نقل کے لحاظ سے محدثین نے حدیث کی تین اقسام کی ہیں: متواتر، مشہور، خبر واحد اور پھر متواتر سے انھوں نے صرف ایک ہی قسم ''تواترِ اسناد'' سے اعتناء کیا۔ اس کے لیے جو سخت معیار مقرر کیا، اس کی وجہ سے احادیث کا ایک معمولی سا ذخیرہ ہی، متواتر ہونے کے سبب یقینیات کا درجہ حاصل کر سکا ہے، لیکن بہ قول حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ الکشمیر ی الامام ایسے پہلے شخص ہیں، جنھوں نے تواتر کی چار اقسام بیان کی ہیں: تواتر اسناد، تواتر طبقہ، تواتر قدر مشترک اور تواتر عمل۔ اس کی جیسی مدلل ،مبرہن، مؤید تشریح حضرت شاہ صاحب نے فرمائی، اس سے حدیث نبوی کا ایک بڑا ذخیرہ ظنیات سے نکل کر، یقینیات میں داخل ہو گیا۔ اس طرح دینیات وایمانیات کے تعلق سے بعض متجسس طبیعتوں میں از قبیل ظنیات ہونے کا جو شبہ تھا وہ بھی دور ہو گیا۔ مولانا گیلانیؒ لکھتے ہیں:

> ''تواتر کی تقسیم کی روشنی میں حدیثوں کا معتدبہ معقول حصہ بجز آحاد کے، مظنونیت کے دائرے سے نکل کر، یقین واذعان کی قوت کا حامل بن جاتا ہے''۔(۲)

مولانا گیلانیؒ بھی، حضرت شاہ صاحب کی اس دل نشیں تقسیم تواتر سے پہلے یہی

(۱) نقش دوام، ص: ۲۵۹ تفردات وتحقیقات۔

(۲) حیات انور، ۱؍۲۰۳، مضمون مولانا گیلانیؒ۔

سمجھتے رہے تھے کہ اسلامیات کا بیش تر حصہ ظنیات پر مشتمل ہے۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

''اس وقت تک میرا تاثر تھا کہ قرآن کے سوا، بہ جز چند گنی چنی روایتوں کے صاحبِ شریعت کی طرف سے قطعی یقین اور کامل اطمینان کے ساتھ کسی امر کا انتظار نہیں کیا جاسکتا۔ گویا دین کا اکثر حصہ صرف ظنی اور یقین کی قوت سے محروم ہے۔ لیکن یہ پہلا دن تھا جب میرے کانوں نے اسناد والے تواتر کے سوا تواتر طبقہ، تواتر عمل، تواتر قدر مشترک کی نئی قسموں کو سنا... یہ پہلا دن تھا جس میں قرآن کے بعد دین کا سارا ابینائی نظام، میرے لیے یقینی و قطعی ہو گیا اور جیسے جیسے تمیز و شعور کے سن کے لحاظ سے اضافہ ہوا، بجائے گھٹنے کے میرا یہ تاثر گہرا ہی ہوتا چلا گیا''۔ (۲)

(۱) حیات انور، ۱/۵۹۔
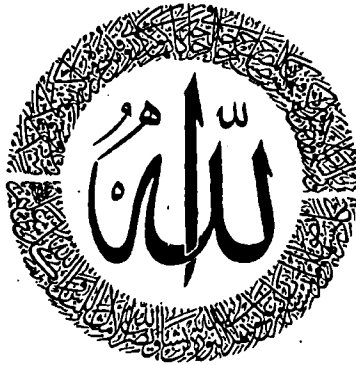
تصنیفات وتالیفات

حضرت العلامہ الکشمیری جس پایہ کے محدث، عالم، وسیع المطالعہ، بالغ نظر، قوی الحافظہ محقق تھے، آپ کی تالیفات وامالی نہ اس لحاظ سے زیادہ مقدار میں ہیں، نہ ہی زمانے کے معروف اسلوب کے مطابق۔ مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری کے بہ قول:

''اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی تامل نہ ہونا چاہیے کہ وفور علم، وسعت مطالعہ اور غیر معمولی تبحر کے باوجود، صاحب سوانح تصنیف وتالیف کے معروف اسلوب کے خوگر نہیں تھے۔ قدیم زمانے میں اغلاق پسندی، مبہم عبارتیں، پیچیدہ طرز بیان ہماری درس گاہوں اور دانش ور طبقے کا خصوصی اسلوب رہا ہے۔ آج تک ہمارے نصاب میں ایسی کتابیں شریک چلی آتی ہیں، جو اپنی شان خاص میں قدیم روش کی آئینہ دار ہیں''۔(۱)

الکشمیری الامام کے یہاں غایت اختصار، تعقید اور اغلاق پسندی کا عنصر غالب اور نمایاں نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوتاہ نظر اور غبی قسم کے لوگ بلکہ عموماً اساتذہ قسم کے حضرات، آپ کی تحریر نہیں سمجھ سکتے۔ ایک بار حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری نے، حضرت العلام کی ایک تالیف دیکھ کر فرمایا تھا:

''شاہ صاحب اس کی شرح بھی لکھ دیجیے، تا کہ اساتذہ بھی اس سے استفادہ کرسکیں''(۲)

لیکن تصنیفات ومؤلفات کی کثرت نہ تو کسی کی علمی جامعیت اور تبحر کا آئینہ دار ہوتی ہیں اور نہ ہی قلت بے مائیگی کی علامت۔ سہل نگاری سے نہ تو ذخائر علوم ومعارف پر عبور کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور نہ ہی تعقید نگاری سے، علم وحکمت سے تہی دامنی اخذ کی جاسکتی ہے۔ بہ قول مولانا بنوری:

---

(۱) نقش دوام، ص: ۲۹۵، تصنیفات وتالیفات۔ (۲) ایضاً۔

''اور یہ بھی ایک امر تسلیم ہے کہ کوئی شخص، تصانیف کی محض عددی کمیت واکثریت کی بنا پر علامۂ عصر حاضر بن جائے ،ایسا نہیں ہوسکتا۔علمائے اسلام کے علمی سمندر میں کثرت سے ایسے بیش بہا موتی موجود ہیں، جو کبھی کسی تاج مرصع کی زینت نہیں بنے''۔(۱)

طرز تحریر اور خصوصیات تالیف

اس حوالے سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الکشمیر ی الامام کے مایہ نازشاگرد: مولانا بنوریؒ کی تحریر سپرد قلم کردی جائے۔ موصوف علامہ کی تالیفی خصوصیات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۔من جملہ حضرت شیخ کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ مشکلات کے حل کرنے کا بے حد اہتمام فرماتے ،مباحث کو دراز کرتے اور عبارت آرائی پر زیادہ توجہ نہیں فرماتے تھے۔

''۲۔کوشش اس بات کی کرتے کہ موضوع سے متعلق زیادہ سے زیادہ مواد جمع کردیا جائے۔توضیح وتشریح کی جانب کچھ زیادہ اعتنا نہ کرتے تھے۔الفاظ مختصر مگر معانی ومطالب کثیرہ آپ کی عادت تھی،خواہ تدریس ہو یا تالیف ہر دو جگہ یہی بات نظر آتی تھی''۔(۲)

''۳۔معلومات کی فراوانی کی وجہ سے ضمنی مضامین کثرت سے بیان فرماتے تھے''۔(۳)

مقالے کی تنگ دامانی کے سبب،ان خصوصیات کی مثالیں زیب قرطاس نہیں کی جاری ہیں۔ذیل کی سطور میں الکشمیر ی المحدث کے چھوڑے ہوئے تحریری سرمایے پر نہایت اختصار سے روشنی ڈالی جاری ہے۔اس تعلق سے یہ وضاحت ضروری ہے کہ

(۱)حیات انور،۲/۲۰۷،حضرت امام العصر شاہ صاحب اوران کی تصانیف۔

(۲)مقدمہ فیض الباری،شرح بخاری، ج:۱/۲۱۔ (۳)یتیمۃ البیان،ص:۸۳۔

حضرت المحدث الشاہ کا تحریری ورثہ، خود ان کی ترتیب دادہ کتب و رسائل اور ان کی امالی اور یادداشتوں کی مدد سے ان کے تلامذہ کی ترتیب دادہ کتابوں پر مشتمل ہے۔ آپ کی نوک قلم سے نکلی ہوئی کتابوں اور رسائل کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

۱ .عقیدة الاسلام فی حیاة عیسیٰ علیہ السلام (عربی)

اصل کتاب دو سو بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ حضرت عیسیٰ کی حیات سے متعلق قرآن کریم کی آیات و تعلیمات کی تفصیل شامل ہے اور ضمناً متعلقہ احادیث بھی شامل کتاب کر دی گئی ہیں۔ اس کے شاہ کار مباحث یہ ہیں: عقیدۂ ختم نبوت، حدوث عالم، ذوالقرنین، یاجوج ماجوج۔ بہ قول حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی ”یہ کتاب حضرت شاہ صاحب کی سب کتابوں میں واضح و مفصل اور شگفتہ ہے“۔

۲۔تحیة الاسلام فی حیاة عیسیٰ علیہ السلام (عربی)

ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔ یہ درحقیقت عقیدة الاسلام کی تعلیقات اور اضافے پر مشتمل ہے۔

۳۔التصریح بماتواتر فی نزول المسیح (عربی)

تقریباً ایک سو احادیث صحیحہ و آثار صحابہ کی روشنی میں حضرت عیسیٰ کے قرب قیامت میں نزول کو موکد و مدلل کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر منفرد کتاب شمار ہوتی ہے

۴۔اکفار الملحدین فی ضروریات الدین (عربی)

یہ شاہ صاحب کی شاہ کار، آپ کی عبقریت کی آئینہ دار کتاب ہے۔ اس میں کفر و ایمان کی حقیقت، مدار ایمان اور مستلزم کفر امور کا نہایت تحقیقی و معروضی تجزیہ کیا گیا ہے۔

۵۔خاتم النّبیین (فارسی)

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت پر یہ تقریباً ۷۰ ر صفحات

کا رسالہ ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے حضرت العلامہ کو اس کی بابت ایک بار لکھا تھا کہ بہت دقیق ہے، عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔

۶۔فصل الخطاب فی مسئلة أمّ الکتاب (عربی)

ایک سو چھ صفحات پر مشتمل نہایت فاضلانہ کتاب ہے۔ نماز پنج گانہ میں امام کے پیچھے مقتدیوں کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے یا نہیں، اس پر بڑی مدلل گفتگو کی گئی ہے۔ بالخصوص: حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت کی تشریح اور ''فصاعداً'' کی تحقیق دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

۷۔خاتمة الخطاب فی فاتحة الکتاب (فارسی)

یہ رسالہ بھی فاتحہ خلف الامام کے معرکۃ الاراء نزاعی مسئلے پر اقناعی انداز میں بحث کرتا ہے۔ صرف دو روز کی مختصر ترین مدت میں برجستہ تحریر کیا گیا تھا۔

۸۔نیل الفرقدین فی مسئلة رفع الیدین (عربی)

موضوع بحث نام سے ظاہر ہے۔ اس میں نہایت محققانہ انداز میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نماز میں رفع یدین میں اختلاف محض اولویت کا ہے۔ کل صفحات: ۱۴۵ ر ہیں۔

۹۔بسط الیدین فی نیل الفرقدین (عربی)

یہ پینسٹھ صفحات کا رسالہ نیل الفرقدین کا تکملہ وضمیمہ ہے۔ ان دونوں رسالوں کو مصر کے عبقری عالم علامہ زاہد الکوثری نے اپنی محققانہ کتاب ''تانیب الخطیب'' میں ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

> ''هذا البحث ای رفع الیدین طویل الذیل، اُلِفت فیه کتبٌ خاصةٌ من الجانبین، ومن أحسنِ ما أُلِفَ فی هذاالباب نیل الفرقدین وبسط الیدین ''۔ رفع یدین کی بحث خاصی طولانی ہے۔ دونوں جانب سے اس پر متعدد کتابیں لکھی گئیں ہیں۔ مگر اس سلسلے میں بہترین تالیف نیل الفرقدین اور بسط الیدین ہیں''۔

۱۰۔ کشف الستر عن صلاۃ الوتر (عربی)

نماز وتر کی بابت امت میں ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے۔ تقریباً سو صفحے کے اس رسالے میں حضرت العلامہ الکشمیری نے اپنے تبحرانہ انداز میں ایسی مدلل بحث کی ہے، جس سے منصف مزاج شخص کے لیے احناف کے نقطۂ نظر کی تائید کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔

۱۱۔ ضرب الخاتم علی حدوث العالم (عربی منظوم)

یہ کائنات حادث وفانی ہے، یا قدیم؟ اس میں متکلمین وفلاسفہ کا شدید اختلاف رہا ہے۔ الکشمیری نے چار سو عربی اشعار میں حدوث عالم کو عقلی ونقلی دلائل سے مدلل کیا ہے۔ اثبات باری تعالیٰ کی بحث بالخصوص بڑی اہم اور معرکۃ الآراء ہے۔ یہی وہ رسالہ ہے، جسے پڑھ کر نامور فلسفی علامہ اقبال نے اپنا تاثر ان الفاظ میں ظاہر کیا:

> ''میں تو مولانا انور شاہ صاحب کا رسالہ پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ وقال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفہ میں بھی ان کو اس درجہ درک وبصیرت اور اس کے مسائل پر اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوث عالم پر اس رسالے میں انہوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے، حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس مسئلے پر اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا''۔(۱)

علامہ اقبال کی فلسفے پر کتنی گہری نظر تھی اور کتنا وسیع مطالعہ تھا، یہ اہل علم سے مخفی نہیں، بایں ہمہ انہیں کتاب مذکور کے چار اشعار کے معانی سمجھنے میں الکشمیری الامام سے رجوع کرنا پڑا اور الکشمیری نے ایک مفصل فارسی مکتوب میں اس کی تشریح کی۔ علاوہ ازیں انہوں نے انگریزی زبان کے چھ معرکۃ الاراء لکچرز میں، رسالہ ہٰذا سے بالخصوص استفادہ کیا۔(۲)

---

(۱) حیات انور،ا/۱۹۰،اے کرتا مجموعہ خوبی بچہ قامت خوانم۔

(۲) ایضاً،ص:۱۹۰، ۱۹۱ مختصراً۔

۱۱۔مرقاۃ الطارم علی حدوث العالم (عربی)

ضرب الخاتم کا کہنا چاہیے تکملہ اور اس کے دقیق نظری مسائل ومباحث کے لیے دلائل وشواہد کا اضافہ ہے، اس موضوع پر ''دریا بہ کوزہ'' کا مصداق ۶۲ رصفحات کا رسالہ ہے۔خلافت عثمانیہ ترکیہ کے شیخ الاسلام، فلسفے پر ترکی وعربی زبانوں میں کئی ایک عدد تحقیقی کتابوں کے مؤلف: شیخ مصطفیٰ صبری نے جب یہ رسالہ دیکھا تو فرمایا:

''إنی أفضّل هذه الوريقات علی جميع المادة الزاخرة فی هذا الموضوع وأنی أفضلهاعلی هذه الأسفار الأربعة للصدر الشيرازی''

میرے نزدیک یہ چندورقی رسالہ اس موضوع پر اب تک جتنا کچھ لکھا گیا ہے، سب پر فائق ہے یہاں تک کہ صدر شیرازی کی ان چاروں ضخیم جلدوں پر بھی''۔

۱۲۔ کتاب فی الذب عن قرۃ العینین (عربی)

یہ کتاب ایک سو چھیانوے صفحات پر مشتمل حضرت محدث دہلوی شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ''قرة العينين فی تفضيل الشيخين'' کے جواب میں ایک شیعی مزاج عالم کی لکھی ہوئی کتاب کی تردید میں لکھی گئی ہے۔

۱۴۔سہم الغیب فی کبدا ھل الریب (عربی)

حضور اکرم ﷺ کو علم غیب حاصل نہیں تھا، یہ صرف وحدہ لاشریک کی خصوصیت ہے، اس موضوع پر یہ کتاب ہے، جس میں ایک رضاخانی پجاری ''عبدالحمید دہلوی'' کی ہرزہ سرائی کا علمی تعاقب کیا گیا ہے۔

امالی وافادات درس

۱۔فیض الباری بشرح صحیح البخاری (عربی)

یہ حضرت الامام الکشمیری کی، صحیح بخاری شریف کی املائی شرح ہے، جسے حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی نے بڑی دیدہ ریزی سے مرتب کیا ہے۔چار ضخیم جلدوں پر مشتمل یہ شرح الامام کے خصوصی ذوق علم،تفردات وتحقیقاتِ نادرہ، علمی نکات، وفور علم، وسعت مطالعہ اور جامعیت وعبقریت کا بحرِ بے کراں ہے۔

۲۔مشکلات القرآن (عربی)

قرآن کریم کی صعب الفہم آیات کے دل نشین حل پر مشتمل، حضرت العلامہ کی ذاتی یادداشت کی مدد سے مرتب کی گئی ہے۔یہ کتاب قرآنی علوم وقرآنی معارف کا نہایت بیش قیمت گنجینہ ہے اور مشکلات قرآن کے موضوع پر منفرد کتاب۔مولانا بنوری کے فاضلانہ مقدمے "یتیمة البیان" کے ساتھ مجلس علمی ڈابھیل سے شائع ہوئی ہے اور تقریباً ۵۰۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔معارف السنن (عربی)

شاہ صاحب کے درس ترمذی کا تحقیقاتی شاہ کار، دوسرے شارحین کی نادر تحقیقات اور الکشمیری کے علوم ومعارف کا نہایت بیش قیمت مجموعہ ہے۔عربی زبان میں چھ ضخیم جلدوں میں مطبوعہ اور دست یاب ہے۔فاضل مرتب مولانا یوسف بنوریؒ ہیں۔

۴۔انوار المحمود فی شرح ابوداؤد (عربی)

ترتیب: مولانا صدیق احمد صاحب نجیب آبادی تلمیذ الکشمیری المحدث۔شاہ

صاحب کے درس ابوداؤد کی املائی تقریر ہے۔اس کے علاوہ حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت علامہ عثانی کے افادات وارشادات کو بھی شامل کتاب کیا گیا ہے۔دوضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

۵۔العرف الشذی فی شرح جامع الترمذی(عربی)

شاہ صاحب کے درس ترمذی کونہایت محنت اور سلیقے سے ان کے ممتاز شاگرد: مولانا محمدؒ چراغ صاحب گجراتی، پاکستانی نے عربی زبان میں ایک جلد میں قلم بند کیا ہے۔ترمذی کی مشکلات،احادیث احکام اور حضرت علامہ کی خصوصی تحقیقات کا گراں قدر ذخیرہ ہے۔

٦۔خزائن الاسرار(اردو)

علامہ دمیریؒ کی کتاب: ''حیاۃ الحیوان'' کے منتخب اقتباسات در بیان ادعیہ و اذکار اور کچھ مجربات پر مشتمل رسالہ ہے۔

۷۔النور الفائض علی نظم الفرائض (فارسی منظوم)

علم فرائض و میراث پر بانوے ۹۲/ اشعار بہ زبان فارسی ایک قیمتی رسالہ ہے۔ جسے الکشمیر ی العلامہ نے اپنے فخر زمانہ شاگرد: حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کو سبقاً سبقاً پڑھایا۔بعد میں یہ رسالہ مولانا موصوف ہی کی سعی سے ۱۳۵٦ھ میں شائع بھی ہوگیا۔

۸۔الاتحاف للأحناف (عربی)

حضرت العلامہ المحدث النابغ شوق نیموی نے فقہی ترتیب کے مطابق فقہ حنفی کی تائید میں صحیح احادیث کا ذخیرہ ''آثارالسنن'' کے نام سے مرتب کیا ہے۔ترتیب

کے دوران نظر ثانی کے لیے، حضرت شیخ الہند کے مشورے سے الکشمیری کی خدمت میں ارسال کیا۔ الکشمیری نے نہ صرف اس پر نظر ثانی فرمائی بلکہ گراں قدر تعلیقات کی شکل میں اس کتاب میں موجود احادیث و آثار سے زیادہ مقدار میں احادیث جمع کردیں۔ یہ کتاب انہیں تعلیقات و اضافات کا مجموعہ ہے۔

۹۔انوار الباری شرح بخاری (اردو)

ترتیب: حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری تلمیذ و ختن العلامہ الکشمیری۔
انوار الباری کہنا چاہیے کہ نہ صرف بخاری شریف سے متعلق الامام الکشمیری کے دریائے علم و معرفت کا منہ بولتا شاہ کار، بلکہ بخاری شریف کے تراجم ابواب، متعلقہ مباحث پر علمائے متقدمین و متاخرین کی بیش قیمت آراء کا بہترین دستاویزی انتخاب اور علمائے دیوبند و سہارن پور کی تحقیقات کا مکمل مجموعہ اور حضرت الکشمیری کے خیالات و تفردات کا مستند ذخیرہ بھی ہے۔ اب تک اس کی کل ۱۸ جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر علمائے کرام سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔

۱۰۔ملفوظات محدث کشمیری

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، الکشمیری کے پانچ سو سے زیادہ علمی ملفوظات و تحقیقات کا نہایت نادر مجموعہ، سوا چار سو صفحات پر مشتمل مولانا سید احمد رضا صاحب کی ایک قابل قدر علمی کاوش اور ان کے قلم کا فیضان تراوش ہے۔

ان کے علاوہ بہت سی کتابوں پر علامہ کے متبحرانہ تعلیقات و حواشی اور درسی افادات ہیں، جو تاہنوز تشنۂ اشاعت ہیں۔ ان میں حاشیہ ابن ماجہ اور افادات درس مسلم خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ (۱)

(۱۳۳) حضرت علامہ کی کتب و امالی کے جامع تعارف و تذکرے کے لیے ملاحظہ کریں: نفحة العنبر، ص: ۱۰۵-۱۳۹۔ نقش دوام، ص: ۲۹۷۔۳۳۱ اور حیات انور ۱/ ۲۱۶۔۲۲۶۔

فتنۂ قادیانیت

الکشمیری کی زرّیں خدمات

حق و باطل کی آویزش

کسی شاعر نے حق و باطل کے درمیان برپا ہونے والی آویزش کی کتنی حقیقت پسندانہ تصویر کشی کی ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز ❁ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

چناں چہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات صد حسرت آیات کے معاً بعد، مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی جیسے مدعیان نبوت کا فتنۂ ارتداد، سیلاب بے کراں کی تباہ کن موجوں کی طرح بڑھا اور چڑھتا چلا گیا۔ مگر صدیق اکبرؓ کی مومنانہ جرأت نے اس فتنے کا ایسا زبردست علاج کیا کہ وہ جہاں سے اٹھا تھا، وہیں ہمیشہ کے لیے دفن ہو گیا۔ خلق قرآن کا مسئلہ حکومت وقت کی برملا حمایت و پشت پناہی کے زور پر پھیلا۔ مگر امام احمد بن حنبل کے مجاہدانہ عزم کے سامنے زیادہ دیر تک ٹک نہ سکا۔ خود مغل ہندوستان میں ''دین الٰہی'' کا سودا شہنشاہ اکبر کی بے پناہ قوت و طاقت کے باوصف، سرہند کے ایک مرد قلندر و درویش مجدد الف ثانی کی ایمانی حرارت میں جھلس کر رہ گیا۔

آج سے کوئی ایک صدی پہلے پنجاب کے ایک گاؤں ''قادیان'' کے ایک گم راہ شخص ''مرزا غلام احمد قادیانی'' حاکم وقت انگریز کی شاطرانہ عیاریوں، حکومت کی فتنہ سامانیوں، بلکہ قہر مانیوں سے لیس ہو کر دعوائے نبوت کر بیٹھا اور ختم نبوت کی مقدس قبا کو پامال کرنے کی مذموم کوشش کی تو سنت الٰہی کے مطابق حق پژوہوں کا ایک گروہ عزم و استقلال کے حوصلوں سے سرشار اٹھا اور قادیانت کی نئی اور خانہ ساز نبوت کے تار پود بکھیر دیے۔ الکشمیری الامام اس حق پرست جماعت کے امام، اس قافلہ ایمانی کے قافلہ سالار اور اس کاروان حق شعار کے میر کارواں تھے۔ ذیل کی سطور میں فتنہ قادیانیت کے

استیصال کے حوالے سے آپ کی زریں خدمات پر، مختصراً روشنی ڈالی جارہی ہے:

رجال کار کی تربیت اور تیاری

تردید قادیانیت کے تعلق سے آپ نے کئی پہلوؤں سے کام کیا۔ کتابیں اور مقالات تالیف کیے، عوامی جلسوں اور مسجدوں میں تقریریں کیں، مقدموں کی پیروی کی، عدالتوں میں اس کے خلاف مدلل بیانات دیے اور اپنے معاصرین اور تلامذہ کی ایک پوری ٹیم تیار کر کے اس کام پر لگایا۔ صاحب نقش دوام کی زبانی اس کی روداد سنیے!

''علامہ انور شاہ کشمیری جو قادیانیت کے دور شباب میں دار العلوم کے صدر نشین تھے، آپ نے اس فتنے کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کیا اور قلب بریاں کے ساتھ تحفظ وحفاظت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے تلامذہ کی مستقل جماعت تیار کی، جنہوں نے تقریر وتحریر: دونوں محاذوں پر قادیانیت کا بھر پور مقابلہ کیا۔ آپ ان تلامذہ سے اپنی نگرانی میں بیش قیمت کتابیں لکھواتے۔ تردید قادیانیت کا یہ ذوق حلقۂ تلامذہ میں اس درجہ استوار کر دیا تھا کہ پھر جہاں کہیں آپ کا کوئی شاگرد پہنچا، اس نے قادیانیت کی تردید کو ایک اسلامی فریضہ سمجھا۔ مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا محمد انوری، مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوری۔ یہ کچھ نام اس پر جوش حلقے کے ہیں، جسے علامہ نے قادیانیت کے خلاف صف آراء کیا تھا''۔(۱)

تردیدی تصانیف

قادیانیت کے دجل وتلبیس اور غارت گرانِ ختم نبوت کی دسیسہ کاریوں پر بھر پور اور کاری ضرب لگانے کے لیے، آپ نے کئی ایک محققانہ کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں ایسے اصولی مباحث اور دلائل وبراہین جمع کیے، جن سے قادیانیت کا ناطقہ بند

(۱۳۴) نقش دوام، ص: ۱۸۵ فتنہ قادیانیت اور اس کا استیصال۔

ہوگیا۔ ''عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام'' لکھ کر حضرت عیسیٰ کے رفع جسمانی، قیامت سے قبل ان کی دوبارہ بہ حیثیت مجدد آمد اور امت مسلمہ کے ایک فرد کے طور پر کشتیِ اسلام کی ناخدائی کرنے، جیسے تمام بنیادی عقائد اسلام پر ناقابل تردید دلائل وشواہد فراہم کردیے۔ ''تحیۃ الاسلام'' کے ذریعے اس بحث کو بہ ہمہ وجوہ تام واتم بنادیا۔ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، نزول عیسیٰ کے ثبوت میں ٹنوں وزنی نقلی دلائل سے لبریز ہے۔ ''اکفار الملحدین'' نے تو قادیانیوں کے لیے ہر طرح کی راہ فرار بند کر کے انہیں دشمنان دین وایمان کی صف میں لاکھڑا کر کے چوراہے پر ننگا کردیا۔

جب قادیانیت ''پنجاب'' میں ریشہ دوانیوں میں کامیاب نہ ہوئی تو اس نے کشمیر کے بھولے بھالے اور سیدھے سادے ان پڑھ اور بدحال وتنگ معاش مسلم عوام کو دام تزویر میں پھنسانے کے لیے طرح طرح کے ڈورے ڈالے۔ انھیں، تعلیم، صحت اور پرتعیش زندگی کے نہ جانے کتنے دل فریب لالچ دلائے اور بدقسمتی سے کچھ سادہ لوح غریب ومفلوک الحال مسلمانون کا سرمایہ ایمان خریدنے میں کامیاب بھی ہوگئی۔ حضرت علامہ اپنے وطن کی اس دل دوز صورت حال سے پریشان ہوگئے اور بستر مرگ پر لیٹے لیٹے محض دو دنوں میں ''خاتم النبیین'' کے نام سے فارسی زبان میں ایک رسالہ تحریر فرمادیا، جس میں حضور اکرم ﷺ کی خاتمیت پر ایک سو ناقابل تردید دلائل جمع کیے۔(۱)

مجلس احرار کا قیام

قادیانیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے، آپ کی نظر میں محض تقریر وتحریر اور چند مخصوص تلامذہ کی تربیت ہی کافی نہ تھی۔ بلکہ اس کے لیے ایک ایسے متحرک ادارے کی ضرورت محسوس کررہے تھے جو اپنی تمام تر توانائیاں، اس پر صرف

(۱) نقش دوام: ص: ۱۸۵، ۱۸۶۔

کرے۔ بالآخر ''مجلس احرار'' جس کا قیام، مسلم پنجاب کی نمائندگی کے سوال پر کانگریس سے اختلاف کے بعد عمل میں آیا تھا، شاہ صاحب کے دیرینہ خواب کی عملی تعبیر ثابت ہوئی۔ مزید تفصیل صاحب نقش دوام کے ادب ریز قلم سے پڑھیے:

''سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا داؤد غزنوی، ظفر علی خاں اور مولانا محمد علی جالندھری: ان سب نے قادیانیت کے استیصال میں جو کام کیا، وہ احرار کی تاریخ کا ایک جلی باب ہے۔ بخاری کی ساحرانہ خطابت نے ملک کو آتشیں فضا میں دھکیل دیا۔ شاہ صاحب نے انھیں امیر شریعت کے خطاب سے نواز کر قادیانیت کے مقابلے کے لیے لا کھڑا کر دیا۔ پھر جاننے والے جانتے ہیں کہ عطاء اللہ شاہ کی تگ و دو سے قادیانیت کا قلعہ مسمار ہو گیا''۔ (۱)

مقدمہ بھاول پور اور شاہ صاحب کا بیان

یہ مقدمہ در حقیقت ریاست بھاول پور کی ایک خاتون عائشہ کی طرف سے اپنے قادیانی بن جانے والے شوہر کے ساتھ نکاح کو فسخ کرنے کے لیے دائر کیا گیا تھا۔ مقدمہ ۱۹۲۶ء میں دائر ہوا اور تقریباً نو سال کے بعد ۱۹۳۵ء میں بہ حق مدعیہ فیصلہ ہوا۔ اس مقدمے میں الکشمیری المحدث باوجود ضعف و ناتوانی کے پوری بشاشت کے ساتھ شریک ہوئے۔ خود الامام ہی کی زبانی سنیے!

''میں بواسیر خونی کے مرض کے غلبے سے نیم جاں تھا اور ساتھ ہی اپنی ملازمت کے سلسلے میں ڈابھیل کے لیے پابہ رکاب کہ اچانک شیخ الجامعہ (بہاول پور) کا مکتوب مجھے ملا، جس میں بھاول پور آ کر مقدمہ میں شہادت دینے کے لیے لکھا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ میرے پاس کوئی زاد آخرت تو ہے نہیں، شاید یہی چیز ذریعہ نجات بن جائے کہ میں محمد ﷺ کے دین کا جانب دار بن کر یہاں آیا ہوں''۔ (۲)

(۱) نقش دوام: ص: ۱۸۷۔

(۲) نقش دوام: ص: ۱۹۱، مقدمہ بہاول پور۔

آپ کے نزدیک فتنۂ قادیانیت کی دسیسہ کاری کس قدر تباہ کن اور آپ کے لیے سوہان روح بنی ہوئی تھی، اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ:

''اس کی وجہ سے آپ نے تاریخ مقدمہ سے کافی روز پہلے بھاول پور پہنچ کر اس کام کو پوری توجہ کے ساتھ انجام دینے کا فیصلہ فرما کر، سب بیانات کے اختتام تک تقریباً بیس پچیس روز بہاول پور میں قیام فرمایا''(۱)

عدالت میں آپ کے بیان اور کمرۂ عدالت کی منظر کشی مولانا انوری نے کچھ اس طرح کی ہے:

''۲۵/اگست ۱۹۳۲ء کو حضرت کا بیان شروع ہوا۔ عدالت کا کمرہ امراء وروٴسائے ریاست وعلماء کی وجہ سے پُر تھا۔ عدالت کے بیرون میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا۔ باوجودے کہ حضرت شاہ صاحب عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا، مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ، عدالت میں تشریف لا کر علم وعرفان کا دریا بہاتے رہے۔ مرزائیت کے کفر وارتداد، دجل وفریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرما دیئے''۔(۲)

شاہ صاحب اور دیگر علمائے ربانیین کا بیان چھپ چکا ہے۔ اس میں حضرت علامہ کا بیان تقریباً بیالیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ بیان وفور علم، وسعت معلومات اور ہر دعوے پر قطعی دلائل کا انبار ہے اور حسب تصریح حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب پاکستانی:

''حضرت شاہ صاحب نے ایمان، کفر، زندقہ، ارتداد، ختم نبوت، اجماع، تواتر اور متواترات کی اقسام، وحی، کشف اور الہام کی تعریفات اور ایسے اصول وقواعد بیان فرمائے، جن کے مطالعے سے ہر ایک انسان علیٰ وجہ البصیرت،

---

(۱) نقش دوام، ص: ۱۸۷، مجلس احرار کا قیام۔

(۲) الانور، ص: ۲۳۹۷۔ بہاولپور کا معرکۃ الآراء تاریخی مقدمہ قادیانی فتنہ اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، تحریر: مفتی محمد شفیع صاحبؒ پاکستانی۔

بطلان مرزائیت کا یقین کامل حاصل کرسکتا ہے''(۱)

کشمیر کمیٹی

مرزائیت کی سرکوبی کے حوالے سے حضرت الکشمیری کی مساعی کی ایک کڑی یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مہاراجہ کشمیر نے، مسلمانان کشمیر کے مسائل حل کرنے کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی تھی، اس کا سربراہ خلیفۂ مرزا قادیانی تھا۔ علامہ اقبال بھی اس کے ایک رکن تھے۔ جواب تک مرزائیت کے حقیقی خدوخال اور اس کی قہر سامانیوں سے واقف نہ تھے۔ یہ سب کچھ در پردہ سر ظفر اللہ خاں قادیانی کے اشارے پر ہو رہا تھا۔ الکشمیری یہ سازش دیکھ کر تڑپ اٹھے اور شاعر مشرق کو تفصیلی خطوط کے ذریعے فتنۂ قادیانیت کی زہر افشانیوں سے واقف کرایا۔ اس کے بعد نہ صرف یہ کہ شاعر مشرق کشمیر کمیٹی سے الگ ہوگئے، بلکہ قادیانیت کی تردید میں انگریزی زبان میں کئی ایک مضامین بھی لکھے، جس سے عصری تعلیم یافتہ نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ، قادیانیت کے دام الحاد کا شکار ہونے سے بچ گیا۔(۲)

قادیانیت کے تعلق سے حضرت علامہ کس قدر فکر مند اور اس کی زہر افشانیوں سے کتنے مضطرب تھے، اس کی عکاسی اس تحریر سے ہوتی ہے، جو مفتی محمد شفیع صاحب نے سپرد قلم کی ہے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ الکشمیری استحکام حنفیت کو اپنی زندگی کی اہم ترین دینی خدمت تصور کرتے تھے۔

> ''ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم چند خدام، جلسہ قادیان میں حضرت ممدوح کے ساتھ حاضر تھے۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنے مخصوص تلامذۂ حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ زمانے کو الحاد کے فتنوں نے گھیر لیا اور قادیانی

---

(۱) حیات انور: ا/۳۲۴، حضرت الاستاذ محدث کشمیریؒ۔

(۲) الانور، ص: ۱۷۵، حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ اقبال۔ نیز نقش دوام، ص: ۱۸۸۔ کشمیر کمیٹی، مع حذف واختصار۔

دجال کا فتنہ ان میں سب سے زیادہ شدت اختیار کرتا جاتا ہے۔اب ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی عمر وتوانائی کا بڑا حصہ اور درس حدیث کا اہم موضوع حنفیت وشافعیت کو بنائے رکھا،ملحدین زمانہ کے وساوس کی طرف توجہ نہ دی'' ۔(۱)

جی چاہتا ہے کہ اس عنوان کا مسک الختام،مولانا بنوری کا یہ گراں قدر تاثر قرار دیا جائے ۔وہ فرماتے ہیں:

''اگر علامہ کشمیریؒ نے اپنی پوری زندگی میں کوئی اور کارنامہ انجام نہ دیا ہوتا،صرف قادیانیت کے ابطال میں آپ نے جو وقیع کام انجام دیا ہے وہی ایک خدمت آپ کے اعمال نامے میں ہوتی،تب بھی آپ کی شخصیت کو زندۂ جاوید بنانے کے لیے کافی تھی'' ۔(۲)
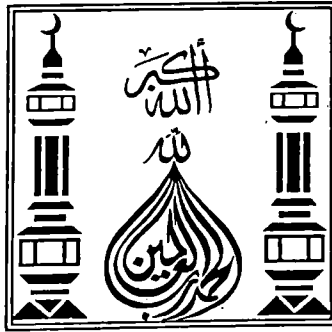
(۱)الانور،ص:۲۸۸۔

(۲) نفحة العنبر،ص:۱۷۳۔

کشمیری الامام اور سیاستِ حاضرہ

ہر چند کہ علمی یک سوئی، سیاسی ہنگامہ خیزیوں کی اجازت نہیں دیتی، تاہم الکشمیری ساختہ وپرداختہ اور فیض یافتہ تھے بطل حریت، قائد تحریک ریشمی رومال حضرت شیخ الہند کے؛ اس لیے قدرتی طور پر جذبۂ حریتِ وطن سے سرشار اور سیاسی نشیب وفراز سے باخبر رہتے تھے۔ ہاں اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ الکشمیری جہاد حریت واستخلاص وطن میں مولانا عبید اللہ سندھی، حضرت مدنی وغیرہ کی طرح شبانہ روز شریک نہ رہے۔ ان کے جذبۂ جہاد کی ترجمانی خود انہی کے درج ذیل جملے سے ہوتی ہے:

> ''مجھے کچھ نہیں چاہیے، بہ جز ایک چائے کی پیالی، دو بسکٹ اور ایک تلوار کے، جس سے میں اعلائے کلمۃ اللہ کا کام لوں''۔(۱)

حضرت شیخ الہندؒ سے فیض تلمذ نے، برطانوی سامراج کے خلاف آپ کے دل مین بھی نفرت کے وہی بیج بو دیے، جن سے حضرت شیخ الہند کا سینہ موجزن رہا کرتا تھا۔

> ''مختصر الفاظ میں یوں عرض کیا جاسکتا ہے کہ ملکی سیاست میں آپ بھی اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہند کے مسلک کے پیرو اور برطانوی امپریلزم کے سخت ترین مخالف تھے۔ انگریزی حکومت سے آپ کو قلبی تنفر تھا۔ ایک بار لاہور میں علماء سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم لوگوں کو پیٹ کے لیے روٹی بھی دین کے نام پر ہی ملتی ہے۔ آخر تم بھی کچھ کیا کرو۔ میں آج کل اتنا علیل ہوں کہ چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں، لیکن پھر بھی اس حالت میں جیل جانے کے لیے تیار ہوں''۔(۲)

اور یہی وجہ ہے کہ:

> ''حضرت شاہ صاحب موجودہ سیاسی خلفشار میں جمعیۃ علمائے ہند کے مسلک کے بہت بڑے حامی، بہت بڑے حریت پسند، برطانوی امپریلزم کے

(۱) نقش دوام، ص:۲۰۷۔ وسیاسی زندگی۔

(۲) الانور، ص:۲۸۹۔ حضرت شاہ صاحب کے سیاسی نظریات۔

سخت دشمن اور ہندوستان میں دین قیم کو سربلند دیکھنے کے آرزومند تھے۔ شروع
سے آخر تک جمعیۃ علماء کی مجلس عاملہ کے اعلیٰ رکن اور جمعیۃ کے مقاصد کے ہمدرد
رہے۔ ہمیشہ آپ نے اپنے گراں قدر مشوروں سے جمعیۃ کی رہنمائی اور جمعیۃ کے
حلقے کو وسیع کرنے کی کوشش فرمائی"۔(۱)

حضرت شیخ الہند بھی اس گوشہ نشین، علم کے جویا اور مطالعے کے رسیا باکمال شاگرد کی سیاسی بصیرت اور حالات کے نشیب وفراز سے اس کی واقفیت سے، بہ خوبی باخبر تھے۔ اسی لیے مالٹا سے واپسی پر ترک موالات کے مسئلے پر جامع اور مختصر ترین فتویٰ لکھنے کے لیے شاہ صاحب کو حکم دیا۔ مولانا انوری فرماتے ہیں:

"صرف دس سطور تھیں، لیکن ایسا جامع مانع کہ حضرت شیخ الہند نہایت محظوظ
ہوئے"۔(۲)

یہی وجہ تھی کہ اس وقت کے صدر جمعیۃ علمائے ہند مفتی اعظم: حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب حضرت شاہ صاحب سے جمعیۃ کی میٹنگوں میں شرکت کے لیے ہمیشہ اصرار کرتے، ان کی آراء سے مستفید ہوتے اور بسا اوقات دیوبند تشریف لاتے اور شاہ صاحب سے تبادلہ خیالات فرماتے رہتے تھے۔ جمعیۃ سے وابستگی اور سیاستِ حاضرہ سے پوری بصیرت ہی تھی، جس کے سبب جمعیۃ کے آٹھویں اجلاس عام منعقدہ پشاور دسمبر ۱۹۲۷ء کی کرسی صدارت آپ کے سپرد کی گئی۔ اس میں آپ نے جو فاضلانہ خطبۂ صدارت پڑھا، وہ تاریخ اجلاس جمعیۃ میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے اس خطبۂ صدارت پر "صدر جمعیۃ علماء کا خطبہ" کے عنوان سے تبصرہ فرمایا تھا:

"جمعیۃ علماء کے اجلاس (پشاور) کی مفصل کارروائی، سطور ہذا کی تحریر کے
وقت تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ اس کے متعلق ابھی کچھ عرض نہیں کیا جاسکتا، لیکن

---

(۱) حیاتِ انور:۱/۱۴، حضرت مولانا سید انور شاہؒ، ذاتی حالات اور علمی و دینی خدمات۔
(۲) ایضاً:۱/۳۰۸۔

جہاں تک خطبہ صدارت کا تعلق ہے، بجز خالص داد اور مبارک باد کے اور کچھ کہنے کی گنجائش نہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری مدظلہ کا مرتبہ، بہ حیثیت فن حدیث کے ایک فاضل متبحر اور بہ حیثیت ایک متقی بزرگ کے مسلم تھا، لیکن یہ ہرگز توقع نہ تھی کہ مسائل حاضرہ پر بھی ان کی نظر اس قدر وسیع اور ان کے خیالات اس قدر صحیح ہوں گے اور وہ اس قدر بہتر اور جامع خطبہ ارشاد فرمائیں گے۔ خطبہ باوجود بہت طویل ہونے کے اول تا آخر پڑھنے کے قابل ہے۔

افسوس ہے کہ ''سچ'' کی مختصر گنجائش میں پورے ایڈریس کو درج کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ تاہم کوشش کی جائے گی کہ ان شاء اللہ چار پانچ نمبروں میں اس کے زیادہ عنوانات نقل ہو جائیں۔

''مولانا ممدوح کا وجود، دراصل اسلام کی صداقت کی ایک تازہ دلیل ہے، جو دوسری قوموں کو یہ بتاتا ہے کہ مسلمان کو اگر صحیح معنوں میں اپنے مذہب کا علم ہے، تو اس کی نظر سیاسی اور دنیوی مسائل پر کس قدر دقیقہ رس ہو جاتی ہے، سب سے زیادہ مبارک باد کا مستحق دفتر جمعیۃ علماء ہے، جس نے ایسے قابل صد عزت بزرگ کو گوشۂ عزلت سے نکال کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ حقیقتاً اس دورِ خزاں پر بھی، جس قوم کا طبقہ علماء ابھی تک حضرت شیخ الہندؒ، مولانا شاہ بدرالدین (امیر شریعت بہار) اور مولانا محمد علی شاہ مونگیریؒ کے نمونے رکھتا تھا اور جس مین آج بھی اللہ کے فضل وکرم سے حضرت مولانا انور شاہ اور مولانا کفایت اللہ کے زندہ نمونے موجود ہیں، اس قوم کے موسمِ بہار کے لطف کا اندازہ کرنا بھی آسان نہیں''(۱)

اس وقیع علمی، تاریخی، معلوماتی اور دستاویزی خطبے کے مشتملات پر گفتگو دراز ہو جائے گی، جس کی مقالے میں گنجائش نہیں ہے، اس لیے محض اجمالی طور پر اس کے

(۱) ''سچ'' ص:۲، ۲۱ر جمادی الثانی ۱۳۴۲ھ، ۱۶ر دسمبر: ۱۹۲۷ء۔

عنوانات کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس خطبۂ صدارت میں حضرت الکشمیری نے مسئلہ قومیت، دارالحرب، دارالاسلام، دارالامان کی بحث اور مسلم سماج کی غیر اسلامی قبیح رسومات سمیت تمام پہلوؤں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ یہ خطبہ مجموعی طور پر ۲۸ ر اٹھائیس عنوانات کے اردگرد گھومتا ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

وحدتِ نظام ملکی و تقسیم عمل، نبوت و نظام تشریعی اور مسئلہ ختم نبوت، تولیت اہل اسلام اور رابطہ دینی، استحسان، معاہدۂ مسلمین، با غیر مسلمین تجاویز اتحاد کانفرنس کلکتہ، صوبہ سرحد کی سیاسی حالت، مسلمان عورتوں کی بے کسی اور فتنہ ارتداد، اصلاح رسوم مہلکہ، سودی قرض اور مسلمانوں کی بربادی اور تحفظ اوقاف مسلمین۔ (۱)

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: خطبۂ صدارت اجلاس عام پشاور: ۱۹۲۷ء۔

علامہ کشمیری اور معاصر وممتاز دینی و علمی شخصیات

الکشمیری المحدث کے عہد کی معروف ویگانہ روزگار شخصیات آپ سے کس درجہ متاثر تھیں، کس قدر اور کتنے اثرات انھوں نے قبول کیے اور آپ کی زریں خدمات کو کن الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا، اس کا اندازہ ان گراں قدر تاثرات سے ہوتا ہے، جو ان شخصیات نے حضرت علامہ کی شخصیت اور خدمات و کارناموں کے اعتراف عظمت کے طور پر مختلف اوقات و مواقع پر ظاہر فرمائے۔

حضرت شیخ الہندؒ

پہلے دستور یہ تھا کہ فارغ التحصیل طلبہ کی سند فضیلت پر اساتذۂ دارالعلوم، طلبہ کی تعلیمی صلاحیت، سیرت و اخلاق اور علم و فضل کے تعلق سے اپنے تاثرات قلم بند کیا کرتے تھے۔ حضرت الکشمیری کی سند فضیلت و اجازت حدیث پر حضرت شیخ الہند نے یہ وقیع الفاظ تحریر کیے تھے:

> ''خداوند تعالی نے مولانا انور شاہ صاحب میں علم، عمل، سیرت، صورت، ورع، زہد، رائے صائب اور ذہن ثاقب جمع کر دیا ہے''۔(۱)

اس کے باوجود کہ حضرت شیخ الہند، حدیث و فقہ میں شاہ صاحبؒ کے سب سے بڑے استاذ تھے اور علوم کتاب و سنت پر محققانہ نظر کے حامل بھی، بایں ہمہ شاہ صاحبؒ کی عظمت و عبقریت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے علامہ شوق نیمویؒ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی کتاب ''آثار السنن'' بہ غرض نظر ثانی انور شاہ کے پاس بھیجیں۔ خود شاہ صاحب فرماتے تھے:

> ''جس زمانے میں مولانا ظہیر احسن صاحب نیمویؒ، آثار السنن تالیف فرما رہے تھے، انھوں نے اس کے کچھ اجزاء حضرت استاذ یعنی حضرت شیخ الہندؒ

(۱) نفحۃ العنبر: ص:۲۲۴، رأی حضرۃ شیخہ محمود، الشیخ وثناء أماثل العصر علیہ۔

کی خدمت میں اس غرض سے بھیجے کہ وہ ملاحظہ فرما کر مشورے دیں اور جو اضافے فرمائے جاسکیں، وہ فرمادیں۔ حضرت استاذ نے ملاحظہ فرما کر وہ اجزاء واپس فرمادیے اور ان کو میرا پتہ لکھ دیا کہ آپ اس مقصد کے لیے اس پتے پر خط وکتابت فرمائیں۔ میں اس زمانے میں اپنے وطن (کشمیر) میں رہتا تھا''۔(۱)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک مرتبہ فرمایا:

''ایک عیسائی فلسفی نے اسلام کی حقانیت کی یہ دلیل دی ہے کہ غزالی جیسا محقق اور مفکر، مذہب اسلام کو سچا مذہب مانتا ہے۔ اس زمانے میں میرے نزدیک اسلام کی حقانیت کی بہت سی دلیلوں میں سے ایک دلیل حضرت مولانا انور شاہ کا مسلمان ہونا ہے۔ اگر اسلام میں کوئی کجی ہوتی تو مولانا انور شاہ یقیناً اسلام ترک کردیتے''۔(۲)

حضرت تھانویؒ کی نظر میں شاہ صاحب عبقریت، علمی جامعیت اور تبحر کی کس بلندی پر تھے، اس کا اندازہ ذیل کے اس خط کی ابتدائی سطور سے ہوتا ہے، جو حضرت تھانویؒ نے الکشمیری کے پاس ایک پے چیدہ مسئلے کی بابت بہ غرض استفسار لکھا تھا۔ لکھتے ہیں:

''از ناکارہ وآوارہ اشرف علی عفی عنہ بخدمت بابرکت جامع الفضائل العلمیہ والعملیہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب دامت انوارہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ تحقیق سابق کے متعلق بہ ضرورت مکرر تکلیف دینا پڑی، امید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔ ایک حاشہ خود مجھ کو پیش آیا، اس کے متعلق جداگانہ تکلیف دیتا ہوں......اس میں روایت یا درایت سے کچھ حکم فرمائیں''۔(۳)

حضرت تھانویؒ کی زبانی ان کا ایک تاثر سنتے چلیے! حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں:

(۱) حیات انور: ۱/۱۵۸، ۱۵۹، علامہ نیمویؒ آثار السنن اور حضرت استاذؒ۔

(۲) الأنور، ص: ۲۴۴۔ حضرت تھانویؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ۔

(۳) نفحة العنبر، ص: ۲۲۵۔ رأی الشیخ العارف الفقیه حکیم الامة مولانا اشرف علی التهانوی۔

''حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ جب مولوی انور شاہ میرے پاس آکر بیٹھتے ہیں تو میرا قلب ان کی عظمت کا دباؤ محسوس کرتا ہے''۔(۱)

مفتیٔ اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ

حضرت مفتی صاحب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔آپ کا علم وفضل، تفقہ وتدبر، زہد وورع اور تبحر علمی عالم آشکارہ ہے۔آپ نے ''مدرسہ امینیہ'' دہلی کی تاریخ قیام اور پس منظر پر ''روض الریاحین'' کے نام سے ایک مختصر سا رسالہ عربی زبان میں تالیف کیا ہے، اس میں حضرت شاہ صاحب کی بابت رقم طراز ہیں:

ونختم ذالکلام بذکر حبر ❁ فقید المثل علّام فرید

''اب ہم یہ گفتگو ایک بڑے عالم کے تذکرے پر ختم کر رہے ہیں۔وہ یگانہ روزگار اور یکتائے زمانہ عالم ہیں''۔

مریغ العلم مقتنص الفنون ❁ له کل المزایا کالمصید

''علم کے جویا اور جملہ علوم وفنون کا شکار کرنے والے ہیں۔تمام فضائل ان کے لیے شکارگاہ ہیں''۔

نبیه فائق الاقران یدعی ❁ بأنور شاه مرموق الحسود(۲)

''بزرگ وباعظمت اور اپنے تمام معاصرین پر فائق ہیں۔انور شاہ نام ہے اور حاسدوں کی نظر میں بھی محبوب ہیں''۔

الکشمیری کی وفات پر اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مفتی اعظم فرماتے ہیں:

''آہ قدرت کے زبردست ہاتھ نے حضرت مولانا العلامہ، الفہامہ، الفاضل الکامل، اکمل العلماء، افضل الفضلاء، النحریر المقدام، البحر الطمطام، رحلۃ العصر، قدوۃ الدہر، استاذ الاساتذہ، رئیس الجہابذہ، محدث وحید، مفسر فرید، فقیہ یگانہ، ماہر العلوم

(۱) حیات انور، ۱/۳۰۸۔

(۲) حیات انور: ص: ۳۰۴، حضرت الاستاذ محدث کشمیریؒ تحریر: مولانا انوری لائل پوریؒ۔

النقلیہ والعقلیہ، مولانا سید محمد انور شاہ قدس سرہ کو آغوش رحمت میں کھینچ لیا''۔(۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ

علامہ موصوف نے الکشمیری کی وفات پر جن الفاظ میں ان کے فضل وکمالات کی تصویرکشی کی ہے، وہ نذر قارئین ہے۔ لکھتے ہیں:

''مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن، لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر وسخن سے بہرہ ور اور زہد وتقوی میں کامل تھے''۔(۲)

اسی تعزیتی مضمون میں رقم طراز ہیں:

''مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے۔ ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی، ان کے مطالعے سے بچی ہو''۔(۳)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

علامہ عثمانیؒ خود بھی بلند پایہ محدث، بالغ نظر مفسر، شارح مسلم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے ممتاز علماء کی صف اول میں شمار ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں قیام ڈابھیل کے زمانے میں انھوں نے ہی حضرت الکشمیری کے علوم ومعارف سے سب سے زیادہ استفادہ کیا تھا۔(۴) سنیے کہ وہ الکشمیری کی شخصیت، علوم ومعارف کی بابت کیا کہتے ہیں:

''سألت الشيخ العلامة النقى التقى الذي لم تر العيون مثله،

(۱) نفحة العنبر، ص:۲۳۰، رأي الفاضل المحقق مفتي الديار الهنديه... مولانا محمد کفایت اللہ الدہلویؒ

(۲) یادرفتگان، ص:۱۶۹، ط: مکتبۃ الشرق آرام باغ کراچی، ۱۹۵۵ء

(۳) ایضاً حوالہ بالا، ص:۱۷۰۔ (۴) مقدمہ انوار الباری: ۲/۲۴۴، ثناء اکابر وا ماثل۔

ولم يرهو مثل نفسه، ولو كان في سلف الزمان لكان له شان في طبقة اهل العلم عظيم،وهو سيدنا ومولانا الإنور الكشميري "۔(۱)

''میں نے خداترس، پاک باز،علامہ انور شاہ الکشمیری سے دریافت کیا،جن کی نظیر نہ تو لوگوں کی آنکھوں نے دیکھی اور نہ ہی خود انھوں نے اپنی نظیر دیکھی۔اگر وہ زمانہ قدیم میں ہوتے تو طبقہ علماء میں ان کی عظیم الشان منزلت ہوتی''۔

علامہ زاہد الکوثری مصریؒ

عالم اسلام کے محقق عالم،کئی عدد علمی وتحقیقی کتابوں کے منصف اور ترکی مرحوم کے نائب شیخ الاسلام: علامہ زاہد الکوثری نے حضرت الکشمیری کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد،الکشمیری کی بابت اپنے تاثرات کا ان الفاظ میں اظہار کیا:

''لم يات بعد الشيخ الامام ابن الهمام مثله،في استثارة الأبحاث النادرة من ثنايا الأحاديث وهذه برهة طويلة من الدهر ''(۲)

''حافظ ابن ہمام صاحب فتح القدیر کے بعد سے اب تک عالم اسلام میں ایسی کوئی شخصیت نہیں گزری جو احادیث کے ذخیرے سے نادر تحقیقات پیش کرنے میں انور شاہ جیسی ہو۔یہ بھی یادر ہے کہ شاہ صاحب اور ابن ہمام کے درمیان کچھ کم فاصلہ نہیں ہے''۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ شامیؒ

جب زاہد الکوثری کا تاثر نظر نواز ہو گیا تو ساتھ ہی ان کے مایہ ناز شاگرد،عبقری عالم،محدث وفقیہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ شامیؒ نے ،الکشمیری کو جن الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے،اسے بھی ملاحظہ فرمالیں۔مولانا یوسف بنوری نفحۃ العنبر میں

(۱) فتح الملهم، في شرح الصحيح لمسلم:۱/۳۳۵،باب معنى قول الله عزوجل:ويقلد آه نزله اخرى۔

(۲) التصريح بما تواتر في نزول المسيح،ص:۲۶۔كلمات من ثناء العلماء الاكابر عليه،مع تحقيق وتعليق: شيخ عبدالفتاح ابوغده،

الکشمیری المحدث کی بابت تعارفی سطور میں یہ وقیع القاب لکھتے ہیں:

"هو امام العصر ،مسند الوقت—المحدث المفسر—الفقيه الاصولى ، المتكلم النظار، الصوفى البصير ،المؤرخ الاديب، الشاعر اللغوى ،البحاثة النقادة ،المحقق الموهوب ،الشيخ الامام محمدانور شاه الكشميرى"(۱)

شیخ عبدالفتاح نے ان القاب پر حاشیے میں اپنے حقیقی تاثرات ثبت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ليست هذه الألقاب من قبيل المديح أوالإطراح ،ولا المبالغة ولا التفخيم، وإنما هى من الحقائق التى تحلّى بها الإمام الكشميرى"(۲)

"یہ القاب نہ تو محض قصیدہ خوانی کے قبیل سے ہیں نہ غلو اور مبالغہ آرائی، بلکہ یہ تو حقائق ہیں، جن سے امام کشمیری بہرہ ور تھے"۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

الکشمیری کی وفات پر دارالعلوم دیوبند کے تعزیتی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مولانا مدنیؒ نے فرمایا:

"میں نے ہندوستان، حجاز، عراق اور شام وغیرہ ممالک اسلامیہ کے علماء وفضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحر علمی اور وسعت معلومات اور علوم نقلیہ (یعنی قرآن پاک اور حدیث رسول ﷺ) اور علوم عقلیہ (یعنی فلسفہ، تاریخ اور ہیئت وغیرہ) کے احاطہ میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا"۔(۳)

مولانا ابوالکلام آزادؒ

مولانا آزاد، حضرت شاہ صاحب کی علمی جامعیت کے کس قدر معترف اور

(۱) التصريح بما تواتر في نزول المسيح، ص:۱۳۔ ترجمۃ المؤلف۔ (۲) ایضاً: ص:۱۳۔ حاشیہ:۱۔

(۳) حیات انور، ۱/۲۵۔ حضرت مولانا سید انور شاہؒ ذاتی حالات، علمی اور دینی خدمات۔

قدرداں تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگا جاسکتا ہے کہ ''مدرسہ عالیہ کلکتہ'' کے طلبہ نے جب ترک موالات تحریک کی وجہ سے مدرسے سے علاحدگی اختیار کر لی اور مولانا آزاد نے خلافت کمیٹی کے تعاون سے ''نیشنل مدرسہ عالیہ'' قائم کیا تو منتہی طلبہ کو پڑھانے کے لیے انھوں نے حضرت شیخ الہند کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا:

''ضرورت ہے کہ مولانا انور شاہ کو یہاں بھیج دیجیے''۔(۱)

مرتب انوار الباری: مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری اپنے ایک مکتوب بہ نام عبدالرحمٰن کوندو لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحب کبھی دیوبند سے ڈابھیل اور ڈابھیل سے دیوبند آتے جاتے تو آپ کا معمول تھا کہ دہلی میں اپنے اولین رفیق اور خواجہ تاش مولانا کفایت اللہ صاحب سے مدرسہ امینیہ دہلی میں ملاقات کرتے اور ان مواقع پر مولانا کفایت اللہ مولانا آزاد کو بھی آگاہ کر دیتے تھے اور مولانا ایک دم امینیہ آتے اور حضرت شاہ صاحب سے ملتے۔ حضرت شاہ صاحب کا مطالعہ چوں کہ بہت وسیع تھا، لہٰذا مولانا آزاد ان سے نوادر کے حوالے بھی پوچھتے تھے''۔(۲)

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ

گزشتہ صفحات میں یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ علامہ اقبال نہ صرف یہ کہ حضرت شاہ صاحب کی علمی صلاحیتوں کے بے حد مداح و معترف تھے، بلکہ بہت سے مسائل میں الکشمیری سے بہ ذریعہ مراسلت استفادہ بھی کیا۔ فقہ کی تدوین جدید کے لیے وہ الکشمیری کی شخصیت کو سب سے موزوں گردانتے تھے۔ اب سنیے کہ المحدث الکشمیری کی وفات پر لاہور کے تعزیتی جلسے میں علامہ اقبال نے الکشمیری کی جامعیت علوم کو کیا خراج عقیدت پیش کیا؟

''اسلام کی آخری پانچ سو سالہ تاریخ، مولانا انور شاہ کشمیری کی نظیر پیش کرنے

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: نقش حیات: مؤلفہ حضرت مدنیؒ، ۲/۱۶۲۔

(۲) لالہ نور، ص:۶۰۳۔ حضرت شاہ صاحب اور مولانا آزادؒ۔

سے عاجز ہے، ایسا بلند پایہ عالم اور فاضل جلیل اب پیدا نہ ہوگا۔ وہ صرف جامع العلوم قسم کی ایک شخصیت ہی کے مالک نہیں تھے، بلکہ عصر حاضر کے دینی تقاضوں پر بھی ان کی پوری نظر تھی۔ میں نے جدید فقہ کی تدوین کے لیے ان کا انتخاب کیا تھا، اس موضوع پر ان سے گفتگو بھی رہی۔ جس طرز پر فقہ کی تدوین میرے پیش نظر تھی، اس کے لیے مناسب شخصیت ان کے سوا عالم اسلام میں کوئی نہ تھی۔ (۱)

علامہ رشید رضا مصریؒ

ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ۱۹۱۲ء میں اپنے یہاں ایک جلسہ دستار بندی منعقد کیا، اس کی صدارت کے لیے عالم اسلام کے معروف صاحب قلم عالم: علامہ رشید رضا مصری تشریف لائے۔ اس سفر میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے مشورے پر وہ ۱۵/اپریل کو دار العلوم دیوبند تشریف لائے۔ علامہ کے اعزاز میں جو خیر مقدمی جلسہ نو درہ میں منعقد ہوا، اس میں حضرت شاہ صاحب نے ہی تعارفی تقریر فرمائی جس میں ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خانوادے کی خدمات جلیلہ، انداز درس، علمائے دیوبند کے طریقہ تدریس حدیث، مسلک دیوبند اور کتاب وسنت سے استخراج مسائل کے لیے فقہ کے مشہور تین اصول: تخریج مناط، تحقیق مناط، تنقیح مناط سمیت بہت سے امور پر سیر حاصل گفتگو کی۔ اپنی جوابی تقریر میں رشید رضا نے جو تاثر بیان کیا، وہ یہ تھا:

> ''حضرات علمائے کرام! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر اس مدرسے کو نہ دیکھتا تو میں ہندوستان سے نہایت غم گین واپس جاتا۔ ہندوستان میں آکر اس مدرسے کی نسبت جو کچھ میں نے سنا تھا، اس سے بہت زیادہ پایا۔ استاذ (مولانا انور شاہ) نے جو اصول میرے سامنے بیان کیے ہیں، جو مسلک اپنے مشائخ کا مجھے بتایا ہے، میں اس کو پسند کرتا ہوں اور اس سے متفق ہوں''۔ (۲)

(۱) مقدمہ انوار الباری، ۲/۲۴۵، بنام اکابر واماثل، نقش دوام، ص: ۵۷، اخبارات کا ماتم اور دیوبند میں تعزیتی جلسہ۔

(۲) سالانہ روداد دار العلوم دیوبند، بابت: ۱۳۳۰ھ، ص: ۴۰۔

علامہ علی حنبلی مصریؒ

علامہ علی حنبلی مصر کے مشہور محدث صحیحین: بخاری ومسلم کی احادیث کے حافظ اور بلند پایہ ادیب ونکتہ شناس عالم تھے۔ ایک بار ہندوستان تشریف لائے اور ایک تقریب سے دیوبند بھی آئے۔ ''القاسم'' کے ایک خصوصی نمبر میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کی وفات پر علامہ کشمیری کا عربی مرثیہ پڑھ کر غایت درجہ متاثر ہوئے اور درس میں حاضر ہوئے۔ اپنے علمی اشکالات واعتراضات پیش کیے، الکشمیری نے ان سب کا نہایت مدلل جواب دیا۔ درس سے اٹھ کر انھوں نے برجستہ فرمایا:

''میں نے شاہ صاحب کے علاوہ اس درجہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا، جو امام بخاری، حافظ ابن حجر، علامہ ابن تیمیہ، ابن حزم اور شوکانی وغیرہم کے نظریات پر تنقیدی نظر ومحاکمہ کرسکتا ہو''۔ (۱)

''انھوں نے دارالعلوم میں تین ہفتے قیام کیا اور حضرت شاہ صاحب سے برابر استفادہ کرتے رہے اور سند حدیث بھی حضرت سے لی۔ علامہ علی یہاں تک کہنے لگے: ''لو حلفت انه اعلم من ابی حنیفة لما حنثت'' اگر میں قسم کھالوں کہ انور شاہ کا علم امام ابوحنیفہؒ سے بڑھا ہوا ہے تو حانث نہیں ہوں گا''۔ (۲)

قائد احرار مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

الکشمیری کی وفات کے بعد قائد احرار ڈابھیل تشریف لے گئے، خیر مقدمی جلسہ ہوا۔ اس میں تقریر کرتے ہوئے الکشمیری کی بابت فرمایا:

''میرے جیسا کم علم ان کے حالات کیا بیان کرسکتا ہے، البتہ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ صحابہؓ کا قافلہ جارہا تھا، یہ پیچھے رہ گئے تھے''۔ (۳)

---

(۱) الانور، ص: ۵۹۷۔ حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ علی حنبلیؒ۔
(۲) الانور، ص: ۵۹۷۔ حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ علی حنبلیؒ۔
(۳) مقدمہ انوار الباری: ۱/۲۳۴، ثنائے اماثل واکابر۔

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

الکشمیری کے علم وفضل اور جامعیت وعبقریت کی بابت ان کے خواجہ تاش، حضرت شیخ الہند کے معتمد خاص، تحریک ریشمی رومال کے کلیدی عہدے دار ورازدار امام انقلاب: مولانا عبیداللہ سندھی کا گراں قدر تاثر بھی سن لیجیے۔ فرماتے ہیں:

''اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں، جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولانا انور شاہ اس زمانے میں بے نظیر عالم ہیں''۔(۱)

مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

اپنے وقت کے مشہور نیک نہاد وصالح سیرت بزرگ اور الکشمیری المحدث کے ابتدائی زمانۂ تدریس کے فیض یافتہ: حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے ایک مختصر سے جملے میں الکشمیری الامام کی عظمت وجلالت شان کی کیسی بلیغ تعبیر فرمائی ہے۔

''واقعی حضرت شاہ صاحب ''آیة من آیات اللّٰه'' تھے''۔(۲)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

اردو زبان وادب کے منفرد نثر نگار: حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے حضرت علامہ کشمیری کی وفات پر اپنے اخبار میں ''ایک عالم ربانی کا وصال'' کے عنوان سے لکھا:

''مولانا حافظ انور شاہ صاحب سابق شیخ الحدیث دیوبند کا وصال ساری قوم کے لیے، ملت اسلامیہ کے لیے ایک حادثۂ عظیم ہے۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون.

''یہ بابرکت ذات سارے علوم شرعیہ کا مخزن تھی، لیکن علم حدیث کا تو کہنا چاہیے کہ اس دور میں آپ پر خاتمہ تھا۔ ایک علم کا دریا تھا، احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بحر ذخار تھا۔ درس کی لذت تو کوئی خوش قسمت طلبہ وتلامذہ سے پوچھے، عام گفتگو میں اتنا اندازہ تو عام آدمی کو بھی ہو جاتا ہے کہ ادھر کوئی سا بھی علمی

(۱) الانور۔ص:۸۔حضرت شاہ صاحب کی عبقریت آئینۂ آرائے اکابر۔

(۲) حیات انور:۱/۳۱۳۔حضرت الاستاذ محدث کشمیریؒ۔

وشرعی موضوع خواہ ضمناً بھی چھڑا، معلوم ہوا کہ علوم وفنون کے دفتر کھل گئے۔ کس بلا کا حافظہ تھا، کس غضب کی قوت یادداشت واستحضار تھی؟ امام بخاریؒ کے حفظ احادیث کے جو مشکل سے یقین میں آنے والے قصے سنے ہیں، شاہ صاحب کو دیکھ کران کا یقین میں آجانا کچھ دشوار نہیں رہ جاتا تھا۔ جب اس چودہویں صدی کے باوجود دنیا میں ایسے ایسے خدام حدیث موجود تھے تو تیسری صدی ہجری میں کیا کچھ رہا ہوگا؟

''شاہ صاحبؒ کی تقریر جب کبھی سننے کا اتفاق ہوا تو بس یہ معلوم ہوتا کہ گویا حافظ ابن حجر کی ''فتح الباری'' کا کوئی ورق کھلا ہوا ہے۔ وہی تبحر، وہی ہمہ گیر وسعت نظر، وہی محققانہ موشگافیاں، وہی تمام اطراف وحواشی کا احاطہ واستقصاء۔ بدنصیب ملت اپنے کو روئے کہ یہ بیش بہا دولت اور بے بدل نعمت بھی چھن کر رہی، اب جب یہ سوال پیدا ہوگا کہ اگلے محدثین کرام کیسے تھے تو کس کا نمونہ اور کس کی مثال پیش کر کے دل کو تسکین دیا کریں گے؟''(۱)

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ

اہل سنت والجماعت کے دو طبقوں: احناف اور غیر مقلدین کے مابین جیسی کچھ رسا کشی ہے، خصوصاً اب سے چھ سات دہائیاں قبل، جو کہ ان فروعی اختلافات کا دور شباب تھا، ایسی کشیدہ صورت حال میں ظاہر ہے کہ ایک طبقے کے لوگ دوسرے طبقے کے اہل علم وفضل کے کمالات کا اعتراف تو کجا، الٹے نکتہ چینی اور کیڑے نکالنے میں مصروف رہا کرتے ہیں۔ لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ ایک ممتاز غیر مقلد عالم کا الکشمیری کے فضل وکمال کی بابت کیا تاثر ہے:

''اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو دیکھ لے''۔(۲)

(۱) سچ: ۱۴ر صفر المظفر ۱۳۵۲ھ۔

(۲) الانور، ص: ۶۱۸، مولانا میر سیالکوٹی و دیگر علمائے اہل حدیث، حضرت شاہ صاحب اور علمائے اہل حدیث۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کا علمی مقام

تحریر

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرتِ اقدس رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے علم وفضل، تبحر وجامعیت وغیرہ فضائل ومناقب کے بارے میں بہت کچھ پہلے بھی لکھا گیا اور اب بھی موجودہ تقریبِ سعید کے موقع پر مقالات کی صورت میں آپ حضرات کے سامنے ہے، مجھے دیر سے اطلاع ملی، اس لیے کوتاہیوں کو نظر انداز فرمائیں۔ مقالہ کا عنوان بھی اپنی بے بضاعتی اور حضرات اکابر کی موجودگی میں ''چھوٹا منہ اور بڑی بات'' کے مترادف ہے، مگر دل کا تقاضا یہی ہوا کہ حضرتؒ کے اعلیٰ وارفع علمی مقام کی نشاندہی حتی الوسع کردی جائے۔ وماتوفیقی الا باللہ۔

میرا حضرتؒ سے تعلق تلمذ دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تحصیل ۲۷ء سے شروع ہوا پھر زمانۂ قیام ڈابھیل میں دو سال آپ کی خدمت میں شب وروز استفادہ اور درس بخاری شریف میں شرکت کا موقع میسر ہوا، اس وقت حضرتؒ کے امالی درس اور ملفوظات گرامی قلم بند کیے، مجلس علمی ڈابھیل سے حضرتؒ کی تفسیری وحدیثی تالیفات مرتب کرکے شائع کرائیں، اسی کے ساتھ حضرت اقدس مجدد صاحبؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی نادر تالیفات بھی شائع ہوئیں، قیام ڈابھیل کے ۱۶/ سال اسی مشغلہ میں گذرے۔ پھر اب ۱۵-۱۶/ سال سے ''انوار الباری شرح اردو صحیح البخاری'' کی تالیف میں مصروف ہوں، اس میں حضرتؒ کے امالی درس بخاری شریف اور دوسری شروحِ بخاری کے افادات پیش کررہا ہوں۔

اس پچاس سال کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ میرے نزدیک حضرت شاہ صاحبؒ دوسرے معدودے چند حضرات اکابر امت کی طرح عالمی شخصیت تھے یا بالفاظِ دیگر

ورلڈ فیم کے مستحق تھے، اسی لیے میں سمجھتا ہوں کہ حضرتؒ کا علمی مقام اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے جو عام طور سے اب تک بہت سے حضرات نے سمجھا ہے۔ اس امر کا اندازہ سب سے پہلے مجھے اور میرے رفیق سفر مولانا سید یوسف بنوری دامت برکاتہم کو مصر کے ایک سالہ قیام میں ہوا، جب کہ ہم فیض الباری اور نصب الرایہ طبع کرانے کے لیے وہاں گئے تھے۔

وہاں ہماری ملاقاتیں علامہ کوثریؒ اور دوسرے علماء سے ہوئیں۔ جس طرح ہندوستان میں حضرت شاہ صاحبؒ نادرۂ روزگار متبحر عالم تھے، نہ صرف مصر بلکہ عرب دنیا میں علامہ کوثریؒ کی بھی ایسی ہی شان تھی، جس طرح ہمارے علامہ کشمیری حفظ واتقان جامعیتِ علوم وفنون اور عادات وشمائل کے لحاظ سے یہاں فردِ فرید تھے، وہاں علامہ کوثریؒ حضرت کے شبیہ ومثیل تھے۔

محض فضل وتوفیقِ خداوندی تھی کہ ہمارا ان سے بھی ایک سال تک تعلق ورابطہ رہا، اور استفادہ کا موقع ملا۔

(۱) علامہ کوثریؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تالیفات پڑھیں، تو وہ بھی حضرتؒ کے نہایت گرویدہ ہوئے اور حضرتؒ کا تعارف مصری مجلات میں کرایا۔ آپ نے لکھا کہ ''احادیث سے دقیق مسائل کے استنباط میں شیخ ابن ہمام (م۸۶۱ھ) صاحبِ فتح القدیر کے بعد ایسا محدث وعالم امت میں نہیں گذرا اور یہ کوئی کم زمانہ نہیں ہے''۔

(۲) سلطنتِ ترکی کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری نے حضرت شاہ صاحبؒ کی تالیف ''مرقاۃ الطارم علی حدوث العالم'' کا مطالعہ کر کے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ فلسفہ وکلام کے دقائق کا اس انداز سے سمجھنے والا اب بھی کوئی دنیا میں موجود ہے، جتنا کچھ آج تک اس موضوع پر لکھا جاچکا ہے، اس رسالہ کو سب پر ترجیح دیتا ہوں، بلکہ ''اسفار اربعہ'' علامہ شیرازی کی چار مجلدات کبیرہ پر بھی۔

اسی وقت دورانِ قیامِ مصر ہمیں یہ بھی احساس ہوا کہ اگر دارالعلوم دیوبند والے حضرت شاہ صاحبؒ کو مصر و شام اور ترکی کے ایک دو سفر کرا دیتے تو علم و تحقیق کی دنیا ہی بدل جاتی۔ اور دنیائے اسلام کے علماء میں وہ روابط قائم ہو جاتے کہ رہتی دنیا تک ان کے بے نظیر فوائد و منافع قائم رہتے۔

میرا یقین ہے کہ اگر حضرت شاہ صاحبؒ ممالک اسلامیہ کا سفر فرماتے تو ساری دنیائے اسلام سے خراج تحسین حاصل فرماتے اور آپ کو عالمی شہرت کا مقام ملتا، چوں کہ حضرتؒ نہایت ہی خمول پسند اور عزت و شہرت سے نفور تھے، اس لیے اتنا عرصہ بغیر عالمی شہرت کے گذر گیا۔ اور اب کہ محترم شیخ محمد عبداللہ صاحب وزیر اعلیٰ کشمیر نے حضرتؒ کے لیے سیمینار منعقد کیا ہے اور اس کی خبریں سارے عالم اسلام میں جائیں گی تو اس سے آپ کی اعلی و ارفع حیثیت ضرور نمایاں ہوگی ان شاء اللہ۔

علامہ کوثری و علامہ صبریؒ سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی میں جو اکابر علمائے اسلام مصر و شام وغیرہ سے ہندوستان آئے اور حضرتؒ سے ملے تھے، انھوں نے بھی حضرتؒ کے بے نظیر فضل و تبحر اور جامعیتِ معقول و منقول کا اعتراف کیا تھا۔

(۳) آپ کے استاذِ حدیث صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ بھی آپ کے وسیع و عمیق مطالعۂ کتب کی وجہ سے آپ سے استفادہ فرماتے تھے، اور آپ ہی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔

(۴) حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ بھی مشکلاتِ فقہ و حدیث وغیرہ میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ سے روایت و درایت دونوں کی روشنی میں فیصلے طلب کرتے تھے۔ آپ کی پوری زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد ان کی یہ بھی رائے تھی کہ آپ کے مزاج میں کسی قسم کی بھی کجی نہیں ہے اور آپ اعتدال و استقامت کا بلند پایہ نمونہ ہیں۔

(۵) حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہؒ نے فرمایا کہ طبقہ علماء میں حضرت شاہ صاحبؒ کا تبحر وکمال، فضل وورع، تقویٰ وجامعیت، استغناء وغیرہ مسلم تھا، وہ بلاشبہ وقتِ حاضر کے کامل ترین عالم ربانی تھے، موافق ومخالف سب ان کے سامنے تسلیم وانقیاد سے گردن جھکا لیتے تھے۔ یہ بھی آپ کی رائے تھی کہ حضرت کا علم فی زمانہ کسب سے اتنا علم حاصل نہیں ہوسکتا اور ایک تعزیتی مکتوب میں لکھا کہ حضرت امام وامت تھے، آپ کی موت درحقیقت علم وعلماء کی موت ہے۔

(۶) حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے فرمایا تھا کہ میں ہندوستان وحجاز، عراق وشام کے اکابر علماء اسلام سے ملا ہوں، مگر حضرت شاہ صاحبؒ کا سا تبحر اور جامعیت واحاطۂ علوم نقلیہ وعقلیہ کسی میں نہیں پایا۔

(۷) علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ''معارف'' میں لکھا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی مثال اس سمندر جیسی ہے جس کے اوپر کی سطح ساکن ہو اور اندر کی گہرائیاں گرانقدر موتیوں سے معمور ہوں، وہ قوتِ حافظہ، وسعتِ نظر اور کثرت مطالعہ میں اس عہد کی بےنظیر شخصیت تھے، علوم حدیث کے حافظ ونکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ معقولات میں ماہر، شعروسخن سے بہرہ مند اور زہد وتقویٰ میں کامل تھے، مرتے دم تک علم ومعرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند رکھا۔ ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔

(۸) علامہ رشید رضا مصری ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند آئے تھے، اس وقت اساتذہ وطلبہ کے جلسہ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت فصیح وبلیغ عربی میں ایک مبسوط تقریر فرمائی، جس میں دارالعلوم دیوبند کے طریق درس خصوصاً علم حدیث کے پڑھانے کے طور وطریق کو پوری تفصیل سے واضح کیا۔ پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ سے لے کر اپنے اساتذہ واکابر دارالعلوم دیوبند تک مناقب وفضائل اور طرز وطریق خدمتِ دین وعلم پر

روشنی ڈالی۔ علامہ رشید رضا آپ کی فصاحتِ تقریر، سلاستِ بیانی اور قوتِ دلائل سے نہایت متاثر ہوئے اور اس کے بعد علامہ موصوف نے بھی اپنی طویل تقریر عربی میں ان امور کو سراہا اور حضرتؒ کے غیر معمولی علم و فضل تبحر و وسعتِ مطالعہ اور بے نظیر استحضار وحافظہ کی نہایت مدح کی، طریق درس حدیث کی بھی تصویب کی اور کہا کہ جو طریقہ آپ کے یہاں درس حدیث کا ہے یہی سب سے اعلیٰ و افضل و انفع ہے۔ آخر میں یہ بھی کہا کہ اگر میں یہاں آ کر اس دارالعلوم دیوبند کو نہ دیکھتا اور ایسے اکابر اہل علم سے نہ ملتا تو میں ہندوستان سے مایوس و غمگین لوٹتا۔

(۹) علامہ محدث شیخ علی حنبلی مصری صحیحین کے حافظ مشہور تھے، ہندستان آئے تو دیوبند بھی پہنچے، دارالعلوم دیوبند میں تین ہفتے قیام کیا اور ایک یمنی متعلم دارالعلوم سے مل کر درس و اساتذۂ دارالعلوم کے حالات معلوم کئے۔ علامہ نے خاص طور سے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے درس صحیح مسلم میں شرکت کی۔ آپ نے علامہ کی رعایت سے روزانہ عربی میں درس دیا۔ اور شیخ علی کے اعتراضات و سوالات کے جوابات بھی دیتے رہے، اسی کے ساتھ شیخ نے حضرت شاہ صاحب کے درسِ بخاری شریف میں بھی برابر شرکت فرمائی اور اس میں بھی حضرت سے سوالات کرتے رہے اور حضرت جوابات دیتے رہے، آپ نے بھی شیخ کے زمانہ شرکتِ درس میں روزانہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہی تقریر فرمائی۔

اس کے بعد شیخ حنبلی نے جو تبصرہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں کیا وہ قابل ذکر ہے۔ فرمایا میں نے عرب ممالک کا سفر کیا اور علماءِ زمانہ سے ملا، خود مصر میں کئی سال حدیث کا درس دیا ہے ہر جگہ کے علماء سے حدیثی مباحث کئے مگر میں نے اب تک اس شان کا کوئی محدث عالم نہیں دیکھا۔ میں نے ان کو ہر طرح بند کرنے کی سعی کی مگر ان کے استحضارِ علوم، تیقظ، حفظ و اتقان، اور ذکاوت و وسعتِ نظر سے حیران ہوں، میں

نے شاہ صاحب کے علاوہ اس درجہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا، جو امام بخاریؒ، حافظ ابن حجرؒ، علامہ ابن تیمیہ، ابن حزم و شوکانی وغیرہ کے نظریات پر تنقیدی محاکمہ کر سکتا ہو اور ان حضرات کی جلالتِ قدر کا پورا لحاظ رکھ کر بحث و تحقیق کا حق ادا کر سکے۔

شیخ موصوف اپنے طویل قیام دارالعلوم کے عرصہ میں برابر حضرت شاہ صاحبؒ سے استفادہ کرتے رہے اور سندِ حدیث بھی حاصل کی۔ ایک روز یہ بھی کہہ دیا کہ اگر میں حلف اٹھالوں کہ شاہ صاحبؒ امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ علم رکھتے ہیں تو مجھے امید ہے کہ حانث نہ ہوں گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کو اس جملہ کی خبر ہوئی تو ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ ''ہمیں امام صاحبؒ کے مدارک اجتہاد تک قطعاً رسائی نہیں ہے''۔

پھر مصر واپس جا کر شیخ موصوف نے اپنا سفرنامہ شائع کیا، علماءِ دیوبند اور خاص کر حضرت شاہ صاحب کے علمی و عملی کمالات پر ایک طویل مقالہ لکھا۔

(۱۰) مشہور اہل حدیث عالم علامہ ثناء اللہ امرتسریؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے بڑے مداحین میں سے تھے، آپ کی خدمت میں دیوبند جاتے اور استفادہ کرتے تھے۔

(۱۱) علامہ ابراہیم سیالکوٹی فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کو مجسم علم دیکھنا ہو تو حضرت شاہ صاحبؒ کو دیکھ لے۔

(۱۲) علامہ اقبال مرحوم نے اصولِ اسلام کی روح سمجھنے میں حضرت شاہ صاحبؒ سے بالمشافہ اور بذریعہ مکاتبت بھی بہت زیادہ استفادہ کیا تھا اور دارالعلوم سے علیحدگی کے بعد آپ کو لاہور لانے کی بھی بہت زیادہ کوشش کی تھی۔

آپ نے حضرتؒ کی وفات کے بعد لاہور کے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اسلام کی اوپر کی پانچ سو سالہ تاریخ حضرت شاہ صاحبؒ کا نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، ڈاکٹر اقبالؒ نے ایک موقع پر محترم مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی سے فرمایا تھا کہ آپ کا یا دوسرے مسلمانوں کا حضرت شاہ صاحبؒ کے ترک

تعلق دارالعلوم کے بارے میں جو بھی تاثر ہو، مگر میں ان کے استعفیٰ کی خبر سن کر بہت خوش ہوا، کیوں کہ دارالعلوم کو صدر مدرس اور بھی مل جائیں گے مگر اسلام کے لیے اب جو کام شاہ صاحبؒ سے لینا چاہتا ہوں، وہ کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا۔

حضرتؒ کی وفات کے بعد علامہ اقبال کیمکا تبت راقم الحروف سے بھی رہی اور علامہ چاہتے تھے کہ کسی جید عالم کو اپنے پاس رکھ کر اس دور کے پیچیدہ فقہی مسائل پر کوئی کتاب لکھوائیں، غالباً وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے افادات کی ہی روشنی میں اتنا بڑا کام کرنا چاہتے تھے، مگر افسوس کہ علامہ کو اس مہم میں کامیابی نہیں ہوئی۔

(۱۳) ایک دفعہ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب علی گڑھ سے دیوبند آئے اور حضرت شاہ صاحب کے درسِ مسلم شریف میں بیٹھے تو کہا کہ آج تو آکسفورڈ اور کیمبرج کے لکچر ہال کا منظر سامنے آگیا یورپ کی ان یونیورسٹیوں میں پروفیسروں کو جس طرح پوری تحقیق وریسرچ کے ذریعہ پڑھاتے ہوئے میں نے دیکھا تھا آج ہندوستان میں میری آنکھوں نے وہی نقشہ دیکھا ہے۔

(۱۴) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ اپنی مشہور حدیثی تالیف بذل المجھود شرح ابی داؤد کی مشکلات میں حضرت شاہ صاحبؒ سے رجوع کرتے تھے حالاں کہ وہ آپ کے اساتذہ کے درجہ میں تھے۔

(۱۵) علامۂ محدث شوق نیمویؒ نے اپنی پوری تصنیف آثار السنن طبع واشاعت سے قبل حضرت شاہ صاحبؒ کے ملاحظہ سے گذاری اور آپ کے علمی مشوروں سے استفادہ کیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے علامہ نے اس تالیف کے مسودات حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں ملاحظہ کے لیے بھیجے تھے، مگر آپ نے مشورہ دیا کہ ان کو حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس بھیجا جائے۔

(۱۶) حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی شرح مسلم شریف اور فوائد قرآن مجید میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیقاتِ عالیہ سے پورا استفادہ فرمایا تھا۔ سورۂ نجم کے

ایک تفسیری استفادہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فتح الملہم :۱/ ۳۳۵، میں حضرت شاہ صاحب کو القابِ عالیہ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے یہ جملہ بھی لکھا کہ "لوگوں کی نظروں نے ان کا مثل نہیں دیکھا اور نہ خود انھوں نے اپنا مثل دیکھا تھا"۔

مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے نفحۃ العنبر ص: ۲۲۷ میں یہ جملہ نقل کر کے یہ بھی بتلایا کہ یہ جملہ کتبِ تراجم وطبقات میں صرف ۶-۷، اکابر امت کے حق میں استعمال کیا گیا ہے۔ گویا حضرت شاہ صاحبؒ ان اعلیٰ وارفع شان کے اکابر واساطین امت میں سے ایک تھے، و کفی به منقبةً۔

اب تک میں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے اعلیٰ وارفع "علمی مقام" کے لیے اکابر معاصرین کے اجمالی ارشادات سے استدلال کیا ہے، اس کے بعد میں کچھ علوم وفنون میں حضرتؒ کی تحقیقاتِ عالیہ کی مثالیں اور نمونے بھی بطورِ استشہاد پیش کرتا ہوں۔ وبه نستعین۔

علم تفسیر میں حضرتؒ کا مقام رفیع

حضرتؒ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ ہر علم وفن کی مشکلات ومختارات دونوں پر پوری نظر رکھتے تھے اور مشکلات کے حل کی فکر میں رہتے تھے، مختارات کی نشاندہی فرمادیتے تھے۔ آپ کی تالیفات میں سے "مشکلات القرآن" اسی کا ایک نمونہ ہے۔ اس کتاب کو راقم الحروف نے ہی حضرتؒ کی یادداشتوں سے مرتب کیا تھا اور حوالوں کی تخریج حاشیہ کتاب میں کی تھی اور اس پر نہایت مفید علمی وتفسیری مقدمہ رفیق محترم مولانا سید محمد یوسف بنوری دام فیوضہم نے لکھا تھا۔ یہ کتاب "مجلس علمی" ڈابھیل سے شائع شدہ ہے۔ اگرچہ اب نایاب ہے(۱)۔ یہاں اسی سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں:

(۱) حضرت علامہ کشمیریؒ کی جملہ تالیفات ورسائل، مجلس علمی، جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی/ اپاکستان سے، چار ضخیم جلدوں میں، عمدہ اور خوب صورت طباعت کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں اور دست یاب ہیں۔ (ع۔ر۔ بستوی)

۱-سماعِ موتی کا مسئلہ

حضرت نے آیات وآثار سے ثابت کیا کہ ارواحِ موتی سب سنتی ہیں، جہاں نفی آئی ہے، وہ اجساد سے متعلق ہے، یااس امر کی نفی ہے کہ مرنے کے بعدان کے لیے سننا نفع بخش نہیں ہے، یہ بھی حضرتؒ نے فرمایا کہ جو کچھ اس بارے میں اختلاف ہوا ہے وہ عام ارواح کے سلسلہ میں ہوا ہے، باقی ارواحِ انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے بھی تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ ارواحِ انبیاء علیہم السلام کے سماع پر سب کا اتفاق ہے۔ (مشکلات القرآن: ص:۲۲۴۔)

۲-سورج کی حرکت

حضرتؒ نے آیت سورۂ یٰسین وَالشَّمْسُ تَجْرِی مُسْتَقَرلھا کے بارے میں افادہ کیا کہ اس کو جدید ہیئت کے مخالف نہ سمجھنا چاہیے۔ کیوں کہ قرآن مجید کا مطمحِ نظر طبعی وسائنسی معلومات فراہم کرنا نہیں ہے، بلکہ صرف اپنی قوتِ عظیمہ کاملہ کا اظہار وبیان ہے اور ایسے مواقع پر جو بات عام طور سے عوام جانتے پہچانتے ہیں اسی کے مطابق کلام کیا گیا ہے، اگر عوام کے اذہان کو کونی حقائق اور سائنسی تحقیقات میں الجھا دیا جاتا تو وہ ہدایت ونصیحت کی طرف کما حقہ متوجہ نہ ہو سکتے۔ وقتِ نزول قرآن سے ہزار بارہ سو برس تک لوگ یہی سمجھتے رہے کہ سورج حرکت کرتا ہے، تو اس کے خلاف کی طرف ذہنوں کو موڑنے کی سعی لاحاصل اور بے فائدہ تھی اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آیت میں مستقر سے مراد قیامت ہو کہ سورج کی خدمت وکارفرمائی کا دور قیامت تک باقی رہے گا، (پھر اور مخلوقات کی طرح وہ بھی فنا ہو جائے گا) اور احادیث میں جو سجدہ کا ذکر ہے وہ معمورۂ ارضی کے لحاظ سے ہے (یعنی دریافت امریکہ کے بعد وہ سجدہ ان کے بھی معمورۂ ارضی کے لحاظ سے ہوگا) (مشکلات القرآن: ص:۲۲۹)

نیز حضرت نے فرمایا کہ سورج کے لیے بالکلیہ سکون وعدم جریان جدید ہیئت میں بھی مسلم نہیں ہے، کیوں کہ وہ بھی اگرچہ سورج کی حرکت زمین کے گرد تو نہیں مانتے، مگر سورج کے لیے بھی ایک حرکت وجریان فناءِ بسیط کے اندر مانتے ہیں۔ (جو مستقر، قیامت کے لیے ہوگی، احقر نے انوار الباری میں اس کی پوری تحقیق درج کی ہے) ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جدید ہیئت وسائنس چوں کہ مشاہدہ پر مبنی ہے، اس لیے وہ قدیم سے زیادہ قابلِ وثوق ہے۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اسلامی تعلیمات سے جدید سائنس کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے بلکہ وہ اس سے زیادہ قریب ہے۔

واضح ہو کہ سب سے پہلے ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے شق قمر کی بحث میں جدید ہیئت کی برتری وصحت کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔

۳-مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ

حضرتؒ نے اس آیت کی تفسیر مستقل طور سے بھی لکھی ہے جو عرصہ ہوا "تحصیل الذبائح فی حریم الضرائح" کے نام سے سرینگر کشمیر، میں طبع ہو کر شائع ہوئی تھی۔ حضرتؒ نے اس میں ثابت کیا کہ اہلال لغیر اللہ اور ذبح علی غیر اسم اللہ الگ الگ چیزیں ہیں اور دونوں کے احکام بھی الگ الگ ہیں" اور اہل اسلام اگر غلطی یا جہالت سے اہلال لغیر اللہ کر بھی دیں تو وہ حرام اور ممنوع شرعی تو ضرور ہے مگر اس کے بعد اسی جانور کا حق تعالیٰ عزاسمہ کے نام پر ذبح شرعی کر لیں تو وہ ذبیحہ حلال ہے۔

مشکلات القرآن: ص: ۴۶ میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ تحقیق ذکر کی ہے مگر رسالہ مذکورہ میں پوری تفصیل اور مکمل دلائل ہیں۔

۴-اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن تیمیہ اور ان کے بعد بھی بعض حضرات کو اشکالات پیش آئے ہیں، ان حضرات نے آیت میں ذکر شدہ اہل مذاہب کا حکم ماضی سے متعلق

سمجھا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کو زمانہ نبوت سے متعلق ثابت فرمایا اور تفصیل کی، جس کو خوفِ طوالت مضمون سے ترک کرتا ہوں۔ (مشکلات القرآن: ص:۱۶)

۵-وَاِن استنصرو کم فی الدین

بہ ظاہر ارشاد باری یہ ہے کہ اگر کسی دارالحرب کے مسلمان باشندے دارالاسلام کے مسلمان باشندوں یا اس کی حکومت سے کسی دینی معاملہ میں نصرت و مدد طلب کریں تو ان کا فرض ہے کہ دارالحرب کے مسلمانوں کی مدد کریں، بشرطیکہ ان دونوں ملکوں میں کوئی باہمی معاہدہ نہ ہو (کیوں کہ معاہدہ کے خلاف کرنا اسلام میں جائز نہیں)

حضرت شاہ صاحبؒ نے تفسیر ابن کثیر وغیرہ کے حوالوں سے یہ تحقیق فرمائی کہ یہ معاہدہ والی شرط ظلم کی صورتوں پر عائد نہیں ہوتی کیوں کہ ظلم کی صورت میں ہر مظلوم کی مدد کرنا شرعاً ضروری ہے خواہ دارالاسلام ہی کے اندر کوئی مسلمان ہی دوسرے مسلمان پر ظلم کرے۔ لہٰذا آیت مذکورہ کے استثناء میں ظلم کفار والی صورت داخل نہ ہوگی اور معاہدہ مظلوم مسلمانوں کی نصرت سے مانع نہ ہوگا۔ (مشکلات القرآن: ص:۱۹۰)

۶-النار مثواکم خالدین فیہا الّا.........

حضرت شاہ صاحبؒ نے تفسیر بحر محیط کے حوالوں سے تحقیق فرمائی کہ آیت میں استثناء مذکور سے عدم خلود عذابِ کفار ثابت کرنا صحیح نہیں اور علامہ ابن تیمیہ وغیرہ کی غلطی کو دلائل کے ساتھ واضح فرمایا، حوالوں کی تخریج راقم الحروف نے کر دی ہے۔

(مشکلات القرآن: ص:۱۷۷-تا-۱۸۰)

۷-فاشھدوا وأنا معکم من الشاھدین

حضرت شاہ صاحبؒ نے تفاسیر کے حوالوں سے شہادت امت مرحومہ کی مکمل

وضاحت فرما کر ضمناً یہ بھی تحقیق فرمائی کہ صوفیہ جو وساطت فی النبوۃ کا ذکر کرتے ہیں، اس سے مراد فتح بابِ نبوت ہے، اس سے اصطلاحِ اہل معقول کے مطابق مابالذات ومابالعرض کی بات سمجھنا درست نہیں۔ (مشکلات القرآن: ص: ۷۴)

۸- وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا

حضرت شاہ صاحبؒ نے تفسیر فتح العزیز کے حوالوں سے توسل بالنبی علیہ السلام کو ثابت فرمایا اور موضح القرآن سے بھی وسیلۂ عرفی کا اثبات کیا۔ (مشکلات مع تخریج حوالہ جات: ۱۹-۲۰/۱۹، و۲۰۳)

طوالت کے خیال سے ان ہی چند نمونوں پر اکتفاء کرتا ہوں ورنہ پوری کتاب حضرتؒ کے حل مشکلاتِ تفسیر مع حوالوں کے ۲۷۷، صفحات پر مشتمل ہے۔

واضح ہو کہ تفسیر قرآن مجید کا ایک محفوظ طریقہ تو تفسیر القرآن بالقرآن کا ہے، اس کے بعد تفسیر القرآن بالحدیث الصحیح کا درجہ ہے۔ مگر کسی بھی تفسیر بالماثور پر پورا بھروسہ اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ اس ماثور کا صحیح درجہ معلوم نہ ہو۔ تفسیر درمنثور سیوطیؒ، تفسیر روح المعانی، تفسیر ابن جریر طبری، تفسیر ابن کثیر وغیرہ مستند تفاسیر ہیں۔ مگر ان میں بھی حذف والحاق، اور اندراجِ ضعاف وموضوعات کا سقم موجود ہے۔ ان اکابر مفسرین کا مطمح نظر یہ تھا کہ کسی آیت کی تفسیر میں جتنا بھی مواد مل سکے وہ سب اسانید کے ساتھ جمع کر دیں اور چوں کہ پہلے دور کے علماء رجال سے واقف ہوتے تھے، وہ سندِ حدیث سے ہی معلوم کر لیتے تھے کہ حدیث کس درجہ میں قابل استناد ہے اور قابل استناد بھی ہے تو صرف فضائل اعمال کے لیے ہے یا اس سے بڑھ کر احکام حلال وحرام یا واجبات وفرائض کے لیے بھی اور اس سے بھی آگے درجہ اصول وعقائد کا ہے، جن کے اثبات کے لیے اور بھی زیادہ قوی احادیث درکار ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ نے یہ بہت بڑا کام کیا کہ مفسر ابن جریر وغیرہ کی روایات کو سند

کے ساتھ بیان کیا اور ان کی علل بھی بیان کیں، احادیثِ ضعاف وموضوعات کی نشاندہی کردی، یہ ان کی نہایت عظیم الشان خدمت ہے، مگر اس کے باوجود ان سے بھی بعض احادیث کے اندر کوتاہی ہوگئی کہ ان کی علت ونکارت پر تنبیہ نہیں کی۔ ملاحظہ ہو،ص:۱۰۷، الاجوبۃ الفاصلہ، مولانا عبدالحی لکھنویؒ۔ شاید علامہ نے ان کی بین نکارت کی وجہ سے تنبیہ ضروری نہ سمجھی ہو، جس طرح امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں کئی احادیث منکر وشاذ رواۃ سے درج فرمادیں اور تنبیہ نہیں فرمائی۔ حالاں کہ انھوں نے بھی اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث ذکر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ جس حدیث کی سند پر سکوت کروں اس کو بھی صحیح سمجھا جائے۔ مگر حدیث ثمانیہ اوعال اور أطیط عرش وغیرہ بلا تنبیہ ذکر فرمادیں، جن سے بڑے بڑوں کو مغالطہ لگ گیا۔

تاہم علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں تصریح کی کہ امام ابوداؤد نے اگرچہ بین الضعف راویوں پر سکوت نہیں کیا بلکہ ان کا ضعف بتلا دیا ہے، پھر بھی بعض جگہ انھوں نے کسی راوی کے نہایت ضعیف ومنکر ہونے کی شہرت کی وجہ سے بھی سکوت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:ص:۶۸، ۳۷، ۱۴۴، الاجوبہ مولانا عبدالحیؒ مطبوعہ حلب۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کتب تفاسیر میں سے جتنا حصہ مشکلاتِ قرآنیہ کے حل کے لیے اہم وضروری تھا، نیز جس قدر مختاراتِ مفسرین حضرتؒ کی نظر میں معتمد وپسندیدہ تھے وہ ایک جگہ جمع فرمادیے تھے۔ احقر نے اپنے ابتدائی دور میں کچھ کام اس کی ترتیب وتخریج حوالہ جات کا انجام دے کر مجلس علمی سے اس کو شائع کردیا تھا۔ اب کتاب مذکور مکمل تشریحات اور مزید تائیدی حوالہ جات کی محتاج ہے اللہ تعالیٰ کسی کو اس کام کی توفیق عطا فرمائے۔

علم حدیث میں حضرت شاہ صاحبؒ کا اعلیٰ مقام

حضرت شاہ صاحبؒ نے درسِ بخاری شریف باب الاذان قبل الفجر میں

امام طحاویؒ کی تحقیق کو سراہا اور اس کو بیان کر کے فرمایا کہ امام طحاویؒ کی قدر وہ کر سکتا ہے جس کو معلوم ہو کہ پہلے کیا کچھ اعتراضات و ابحاث ہو چکی ہیں اور فرمایا کہ حنفیہ کے مذہب پر جس قدر احسانات امام طحاوی کے ہیں اور کسی کے نہیں۔ میں نے اکثر دیکھا کہ امام طحاویؒ کی تحقیق کی بنیاد امام محمدؒ کے کلام پر ہوتی ہے اور بعض اوقات ان کے ایک لفظ ہی پر بنیاد رکھ کر امام طحاویؒ اس کو پھیلا کر پوری تحقیق قائم کر دیتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی تحقیقات کی نشاندہی جتنی امام نے کی ہیں اور کسی نے نہیں کی، پھر ان کی تقریرات و تائیدات جس قدر میں نے جمع کی ہیں اور کسی نے نہیں کیں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ امام محمدؒ اکابر سلف اور امام اعظم رضی اللہ عنہم کے علوم و کمالات کے جامع تھے اور امتِ محمدیہ کے نہایت جلیل القدر محقق و مدقق تھے۔ بقول حضرت شاہ صاحبؒ آپ کے علوم کی تشریحات امام طحاویؒ نے کیں اور امام محمدؒ کے تلمیذِ خاص امام شافعیؒ کی وساطت سے وہ علوم دوسرے ائمہ مجتہدین و محدثین کو بھی حاصل ہوئے، پھر ایک مدتِ مدید کے بعد ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے جن کا سلسلۂ نسب بھی امام اعظمؒ کے خاندان سے ملتا ہے، ان علوم و تحقیقات عالیہ محمدیہ و طحاویہ کو سامنے رکھ کر تیس چالیس سال تک ان کے لیے تائیدی دلائل و براہین جمع کیے اور ان کی شانِ علم و فضل و جامعیت بھی بقول حضرت تھانویؒ قدس سرہٗ ایسی تھی کہ ان کے ایک ایک جملہ پر ایک ایک رسالہ مدون ہو سکتا تھا اور بقول حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ آپ کی گراں قدر علمی تالیفات کی قدر بھی صرف وہی کر سکتا تھا جس کے سامنے سابقہ اعتراضات و ابحاث ہوں اور خود علامہ موصوف نے ہی حضرت شاہ صاحبؒ کا رسالہ ''کشف الستر'' پڑھ کر یہ بھی فرمایا تھا کہ اس رسالہ کا مطالعہ سترہ بار کرنے کے بعد میں سمجھ سکا ہوں کہ حضرتؒ نے کن کن مشکلات و اشکالات کا حل فرما دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام محمدؒ، امام طحاویؒ اور علامہ کشمیریؒ تینوں حضرات کی محدثانہ شانِ تحقیق و تدقیق علماءِ امت میں سے ایک نرالی شان کی تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے رسالہ مذکورہ اور نیل الفرقدین، بسط الیدین، مرقاۃ الطارم وغیرہ کی یادداشتیں احقر کے سپرد فرما کر نقل و ترتیب کا کام کرایا تھا، جس کی مجلس علمی ڈابھیل سے اشاعت ہوئی تھی اور یہ ادارہ اولاً حضرتؒ کے علوم کی اشاعت ہی کے لیے قائم کیا گیا تھا۔

حضرتؒ کی اسی طرح کی یادداشتوں کے تین صندوق بھرے ہوئے گھر پر تھے، جن کا اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے، ان سے سیکڑوں مسائل میں مدد مل سکتی تھی اور آج وہ سب موجود ہوتیں تو صحاح ستہ و معانی الآثار طحاوی وغیرہ کی بے نظیر شروح تالیف کی جاسکتی تھیں۔ مگر صد افسوس کہ حضرتؒ کی وفات کے بعد اس بے مثال خزینہ میں سے ہمیں کچھ بھی نہ مل سکا بلکہ حضرتؒ کی وہ کتابیں جن پر حضرت نے اپنے قلم سے حواشی لکھے تھے، وہ بھی حاصل نہ ہوسکیں۔

ان حالات میں حضرتؒ کی وفات کے بعد سوچا گیا کہ کم سے کم حضرت کے درس حدیث کے امالی ہی کو مرتب کرا کر شائع کر دیا جائے، چناں چہ فیض الباری مرتب کرائی گئی، جس کو مصر میں طبع کرا کے شائع کیا گیا۔ مگر افسوس کہ اس سے جتنی امیدیں قائم کی تھیں، وہ پوری نہ ہوسکیں، کیوں کہ اس میں نہ صرف ضبط و کتابت کی بے شمار غلطیاں ہیں بلکہ کتابوں کے حوالوں میں بھی مراجعت نہ کرنے کی وجہ سے فاحش غلطیاں ہوگئی ہیں۔ اس لیے ''انوار الباری'' میں ایسی فروگذاشتوں کی اصلاح بھی پیش نظر ہے، تاکہ حضرتؒ کے علوم و افادات کو حتی الوسع صحیح صورت میں پیش کیا جائے۔ واللہ الموفق۔

اس تمہید کے بعد میں حضرت کی محدثانہ شانِ تحقیق کے بھی چند نمونے پیش کرتا ہوں:

۱- حدیث سُدُّوا عنی کل خوخۃٍ فی ھذا المسجد غیر خوخۃ ابی بکرؓ (بخاری:۶۷)

اس حدیث پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ارشادِ نبوی دربارۂ سد الابواب غیر بابِ علی، بھی قوی سند سے ثابت ہے۔ (اگر چہ بخاری میں نہیں ہے) لیکن محدث

ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوع قرار دیدیا ہے، جس کا حافظ ابن حجر نے ردِ وافر کیا ہے اور امام طحاویؒ کی مشکل الآثار سے بھی اپنے مدعا کو قوت پہنچائی ہے کیوں کہ امام طحاوی نے توفیق بین الحدیثین کا راستہ اختیار کیا ہے۔

حافظ نے لکھا کہ محدث ابن الجوزی نے اس حدیث کو بوجہ اعلال بعض رواۃ کے گرایا ہے اور اس لیے بھی کہ اس کو بخاری وغیرہ کی صحیح روایت کے مخالف خیال کیا اور یہ بھی خیال کیا کہ اس حدیث کو روافض نے حضرت علیؓ کی منقبت کے لیے گھڑ لیا ہے، حالاں کہ یہ ابن الجوزیؒ کی خطاءِ شنیع ہے، کیوں کہ اس طرح انھوں نے احادیثِ صحیحہ کو رد کرنے والوں کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری: ۷/۱۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے مزید افادہ کیا کہ ایسی غلطیاں دوسرے اکابر امت سے بھی ہوگئی ہیں کہ کسی ایک مجروح راوی کی وجہ سے حدیثِ صحیح یا حسن کو گرادیا، جب کہ وہ حدیث دوسرے ثقہ راویوں سے بھی مروی ہے خود بخاری میں بھی بعض ضعیف راوی ہیں، مگر ان کی حدیث اس لیے نہیں گرے گی کہ وہ دوسرے ثقہ راویوں سے بھی مروی ہے۔ اسی لیے صحیح بخاری کی تمام احادیث صحیح وقوی قرار دی جائیں گی۔ بعض حضرات کسی حدیث کو اضطراب کی وجہ سے گرادیتے ہیں جب کہ وہ معنی کے لحاظ سے صحیح ہوتی ہیں، یا کبھی تعصبِ مسلکی کے سبب سے بھی کسی مخالف کی حدیث کو گرادیا جاتا ہے تا کہ وہ اپنے مسلک پر اس سے استدلال نہ کرسکے، چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ہی نے علامہ ابن تیمیہ پر بھی نقد کیا ہے کہ انھوں نے ''منہاج السنہ'' میں روافض کے مقابلہ میں اتنا زور دکھایا کہ ان کی نقل کردہ صحیح احادیث کو بھی گرادیا، یہ بات انصاف سے بعید ہے۔

۲-قوله وقال الشعبی لایشترط المعلم الاان یعطی شیئًا فیقبله (بخاری: ص: ۳۰۴)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے جو یہ تفصیل کردی ہے کہ اجرت

ممنوعہ اگر مشروط ہو تو ناجائز ہے ورنہ درست ہے۔ تو اس پر علامہ ابن تیمیہ نے بڑے غیظ وغضب کا اظہار کیا ہے اور امام محمدؒ کے رد کے لیے اپنے فتاویٰ میں مستقل جزو لکھا ہے کہ ہم نہیں سمجھ سکے اس قید کا خارج میں ثمرہ کیا ہے، جب کہ وہ اجرت قبول کرے، حالاں کہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے اور اس نے حدیث کی کھلی مخالفت کی ہے۔

میں نے کہا کہ وہ اپنے غصہ کو اپنے پاس ہی رکھیں، ہمیں ان کا علم بھی معلوم ہے۔ یہاں امام بخاریؒ نے علامہ شعبیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ معلم اگر شرط نہ کرے اور اس کو کچھ دیدیا جائے تو لینا جائز ہے اور ترمذی شریف میں حدیث صحیح ہے کہ حضور علیہ السلام نے عسب الفحل کی ممانعت فرمائی اور اس کی اجرت حنفیہ کے نزدیک بھی حرام ہے، تاہم حدیث ہی میں یہ بھی حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ نے عرض کیا ہمیں اکراماً وہدیۃً کچھ دیا جاتا ہے تو اس کی آپ نے اجازت دی۔

پس جب کہ ایک اصل اور جنس حضور علیہ السلام کے ارشاد سے ثابت ہوگئی تو اس کے تحت آنے والی جزئیات پر نکیر کیوں کر درست ہوسکتی ہے۔ غرض فقہ حنفی میں بہت سے جزئیات تعامل وتوارث کی وجہ سے جائز قرار دیے گیے ہیں، جن پر دوسرے لوگ نکتہ چینی کیا کرتے ہیں، اور یہ بات شانِ علم وتحقیق اور انصاف سے بعید ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے مزید فرمایا کہ علامہ ابن تیمیہؒ جب اکابر امت کی شان میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں تو بڑا دکھ ہوتا ہے، انھوں نے ائمہ حنفیہ پر بھی بہت کچھ لے دے کی ہے اور خاص کر امام محمدؒ سے تو بہت ہی ناراض معلوم ہوتے ہیں، شاید اسی لیے انھوں نے امام شافعیؒ کے امام محمدؒ سے تلمذ کا بھی انکار کیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۳- مرضِ وفات میں نبی اکرم ﷺ کی نمازیں مسجد نبوی میں

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بخاری کی حدیث الباب (۶۵۱) میں حضور علیہ السلام کا مرض وفات میں ٹب میں بیٹھ کر غسل کرنے کا ذکر اور نمازِ عشاء مسجد نبوی

میں پڑھنے کی بھی صراحت ہے اور بخاری کے الفاظ سے بھی ۵-۶ جگہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضور علیہ السلام عشاء کے وقت حجرہ شریفہ سے مسجد کی طرف نکلے ہیں اور خطبہ پڑھا ہے، مگر حافظ نے کہیں بول کر نہیں دیا اور وہ صرف ایک ظہر کے لیے نکلنے کو مانتے ہیں، باقی کا انکار کرتے ہیں حالاں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرض وفات میں چار پانچ دن کے اندر چار بار مسجد نبوی کی نماز میں شرکت فرمائی ہے اور تین نمازوں کی شرکت کو تو امام ترمذی نے بھی مانا ہے، میں چار مانتا ہوں جب کہ امام شافعیؒ اور حافظ صرف ایک نماز کی شرکت مانتے ہیں، پھر ان دونوں میں بھی اختلاف ہے کہ امام شافعیؒ صبح کی نماز میں کہتے ہیں اور حافظ ظہر میں۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ نبی امی کی حدیث ص: ۳۲، کے تحت بھی ضروری تفصیل انوار الباری، ۵/۴/۱۷۱، میں آچکی ہے، وہ بھی اس کے ساتھ دیکھ لی جائے۔

اب حضرتؒ نے سابق باب اهل العلم والفضل احق بالامامة کی حدیث انسؓ میں قولہ فنکص الخ پر یہ بھی فرمایا کہ اس کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام اس نماز میں داخل نہیں ہوئے کہ ایسا ہوتا تو راوی اس کو ضرور ذکر کرتا، تاہم امام بیہقی نے شرکت پر اصرار کیا ہے اور دو روایتوں سے استدلال کیا ہے، میرے یہاں بھی دس وجوہ یا زیادہ ایسی ہیں جو شرکتِ نماز فجر (یوم الاثنین یوم وفات نبوی) پر دلالت کرتی ہیں اور میرا خیال ہے کہ آپ نے اقتداء حجرۂ شریفہ سے کی ہے، مسجد میں تشریف نہیں لے جاسکے، جس طرح عورتیں جمعہ کے دن حجروں سے اقتداء کرتی تھیں (کمافی المدونہ لیکن میرے یہاں اس کی نقل نہیں ہے) اور نسائی سے معلوم ہوتا ہے کہ صف تک پہنچ گئے تھے۔

امام شافعیؒ بھی نمازِ صبح کی شرکت کے قائل ہیں اور غالباً وہ پیر کے دن کی ہی

عہ مثلاً ص: ۳۲، باب الغسل والوضوء فی المخضب، اور ص: ۹۹، میں باب الرجل قائم (یہی زیر بحث باب) اور ص: ۵۱۲ میں نماز وخطبہ کا ذکر اور ص: ۶۳۹، باب المغازی اور ص: ۸۵۱ میں ثم خرج الی الناس نماز وخطبہ کا ذکر اور حافظ کا انکار ''مؤلف''۔

ہے، حافظؒ نے صبح کی نماز کی شرکت سے انکار کیا ہے اور شرکت صرف ظہر میں مانی ہے۔ پہلے یہ بات بھی آچکی ہے کہ ایک نماز ظہر کی شرکت کو سب ہی مانتے ہیں، امام شافعیؒ کے خواہ وہ سنیچر کی ہو یا اتوار کی۔ جمعہ کی تو ہو نہیں سکتی اور جمعرات کی شام سے علالت شروع ہوئی تھی، جمعہ، سنیچر، اتوار تین روز پورے علالت میں گذرے، پیر کے دن ظہر سے قبل وفات ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حافظؒ نے نمازِ عشاء کی شرکت سے بھی انکار کیا ہے جب کہ امام بخاری کی ۵-۶ روایات سے بھی حضور علیہ السلام کے حجرۂ شریفہ سے نکلنے اور نماز کے علاوہ خطبہ دینے کا بھی ثبوت موجود ہے۔ مگر بڑا مغالطہ حدیث احمد بن یونس، ص: ۱۰۶ سے ہی لگا ہے جو اس وقت سامنے ہے، کیوں کہ اس کے شروع میں اگرچہ نمازِ عشاء کا ذکر صراحتاً موجود ہے، مگر آگے راوی نے نمازِ ظہر کا ذکر بھی کر دیا ہے، اس سے حافظ نے عشاء کی شرکت ہٹا کر ظہر کی ثابت کر دی ہے اور علامہ عینی بھی یہاں چوک گئے کہ انھوں نے بھی غسل کے واقعہ میں ظہر کی نماز تسلیم کر لی حالاں کہ اس واقعہ کا کوئی تعلق نمازِ ظہر سے نہیں ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے جس عمدگی کے ساتھ اوپر کی محدثانہ بحث فرمائی ہے، وہ بھی آپ کے طرزِ تحقیق اور ریسرچ کا ایک نمونہ ہے اور عجیب بات یہاں یہ بھی ہے کہ ہمارے اکابر میں سے حضرت اقدس مولانا گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے بھی لامع الدراری اور اس کے حاشیہ میں اشکال مذکور اور اس کے حل کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ حضرتؒ کی عادتِ مبارک تھی کہ کسی اشکال کے موقع سے خاموشی سے گذرنے کو گوارا کر ہی نہیں سکتے تھے، گویا حضرت حلِ مشکلات ہی کے لیے پیدا ہوئے تھے۔

۴-قوله فيصلي عند الأسطوانة التي عند المصحف

(بخاری: ص: ۷۲)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں علامہ عینی اور حافظ الدنیا ابن حجرؒ دونوں

سے غلطی ہوگئی کہ اس اسطوانہ سے جو مصحف کے پاس تھا، اسطوانہ مُہاجرین سمجھے، شاید مخلقہ ہونے کی وجہ سے مغالطہ ہوگیا ہو۔ علامہ سمہودیؒ نے اس بارے میں اپنے استاذ حافظ ابن حجر کا رد کیا ہے اور کہا کہ وہ دوسرا تھا، اسطوانہ مُہاجرین نہیں تھا۔

پھر حضرتؒ نے فرمایا کہ میرے نزدیک علامہ سمہودیؒ کا قول اس بارے میں زیادہ معتبر ہے۔ علامہ نے اپنی کتاب وفاء الوفاء میں ۱/۲۶۲ سے ص:۱/۳۲۱، تک متعدد جگہ پوری تحقیق کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ مصحف شریف کے قریب والے جس اسطوانہ کا ذکر یہاں بخاری شریف میں ہوا ہے، وہ اسطوانہ علم المصلی الشریف تھا اور درمیان میں ۱/۲۶۴، میں اپنے استاذِ محترم حافظ ابن حجرؒ کی غلطی مع وجوہِ اشتباہ بیان کر کے تصحیح کا حق ادا کر دیا ہے۔ پوری بحث اور اسطوانات کی تحقیق نقشہ کے ساتھ انوار الباری جلد ۱۲ میں درج ہوئی ہے۔

۵- امام بخاری کے رفع یدین پر اتفاقِ صحابہ کے دعوے کی حقیقت

حضرت شاہ صاحبؒ نے نیل الفرقدین، ص:۸۷، میں لکھا ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ رفع یدین میں دعویٰ کیا ہے کہ تمام صحابہ رفع یدین پر متفق تھے اور کسی سے ترک کا ثبوت نہیں۔ یہ امام بخاریؒ کا حسبِ عادت مبالغہ ہے۔ کیوں کہ خود ان کے خلیفہ اور تلمیذِ رشید امام ترمذی نے ہی اس دعوے کے خلاف فیصلہ دے دیا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ ترک رفع کے قائل بھی بہت سے اہل علم صحابہ و تابعین تھے اور وہی سفیان اور اہل کوفہ کا مذہب ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ صحابہ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور تابعین میں سے اصحاب علی و ابن مسعود، جماہیر اہل کوفہ بہت سے اہل مدینہ اور دوسرے اہل بلاد سے بھی ترکِ رفع ثابت ہے۔

اسی کے ساتھ اس مسئلہ میں ابن حزم اور ابن قیم کی غلطیوں کی طرف بھی اشارات کئے ہیں اور حضرتؒ کے رسائل فصل الخطاب، نیل الفرقدین و کشف الستر کا مطالعہ کر کے

ہر مشتغل بالحدیث حضرتؒ کی نہایت بلند پایہ محدثانہ تحقیقی شان سے واقف ہو سکتا ہے۔
حضرتؒ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ عجیب شان ہے کہ بخاری میں تو زیادہ نہیں کھلے، مگر اپنے رسائل قراءت و رفع یدین میں حنفیہ کے خلاف خوب تیز کلامی سے کام لیا ہے۔

۶-باب اذا أقيمت الصلوٰة فلا صلوٰة الا المكتوبة

(بخاری: ص: ۹۱)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں امام بخاریؒ سے دو غلطیاں ہو گئیں: ایک تو یہ کہ حدیث الباب کی روایت مالک بن بحینہ سے کی، حالاں کہ وہ مسلمان بھی نہ ہوا تھا اور صحیح یہ ہے کہ یہ روایت مالک کے بیٹے عبداللہ نے کی ہے جو صحابی تھے اور ابن ماجہ میں روایت ان ہی سے کی ہے جو صحیح ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ بحینہ کو مالک کی ماں ذکر کیا حالاں کہ وہ مالک کی بیوی اور عبداللہ کی ماں ہیں۔

پھر فرمایا کہ میرے نزدیک شارع علیہ السلام کا منشاء اقامتِ صلوٰۃ کے بعد دوسری نماز کی ممانعت مسجد کے اندر ہے، اسی لیے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب جواز فی الخارج کا ہے اور نظر شارع میں داخل مسجد اور خارج مسجد کے احکام الگ الگ ہیں۔ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ کے بعد کوئی دوسری نماز نہ مسجد کے اندر پڑھ سکتا ہے، نہ باہر۔ حالاں کہ راوی حدیث حضرت ابن عمرؓ کا فتوے موطاً امام مالک میں اور دوسرے راوی حضرت ابن عباسؓ کا فتوی معانی الآثار میں موجود ہے کہ صبح کی دو رکعت خارج مسجد پڑھی جائیں اگرچہ امام نے نمازِ فرض شروع کر دی ہو۔

پھر یہاں ایک حدیث صحیح ابن خزیمہ کی بھی ہے جو عمدۃ القاری ۲/۱۱۷، میں نقل ہوئی ہے کہ حضور علیہ السلام اقامتِ نماز کے وقت نکلے تو لوگوں کو دیکھا کہ جلدی جلدی دو رکعت پڑھ رہے ہیں، آپ نے فرمایا کیا دو نمازیں ایک ساتھ؟ پھر آپ نے ممانعت فرمائی کہ اقامت ہو جائے تو مسجد میں دوسری نماز نہ پڑھی جائے۔

حافظؒ کے سامنے صحیح ابن خزیمہ کا قلمی نسخہ تھا، جس کے حوالے وہ دوسری جگہ

دیتے ہیں، مگر یہاں اس کا ذکر نہیں کیا، بلکہ تاریخ بخاری ومسندِ بزار وغیرہ کا حوالہ دیا ہے، جس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے۔

۷-باب دخول المشرك في المسجد (بخاری:ص:۶۷)

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مشرک کے دخولِ مسجد کے مسئلہ میں اکابرامت کا اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً جواز ہے، مالکیہ کے یہاں مطلقاً عدمِ جواز، شافعیہ تفصیل کرتے ہیں کہ مسجد حرام میں ممنوع اور دوسری مساجد میں جائز۔ (عمدہ) امام محمدؒ کے نزدیک بھی شافعیہ کی طرح مسجد حرام میں دخولِ مشرک ناجائز ہے، جیسا کہ سیر کبیر اور شافی میں ہے۔ امام احمدؒ سے دوروایتیں ہیں: ایک یہ کہ مطلقاً ہر مسجد میں ناجائز ہے، دوسری یہ کہ امامِ وقت کی اجازت سے جائز ہے لیکن حرم میں داخلہ کسی حالت میں درست نہیں، جیسا کہ مغنی میں ہے۔

لہٰذا حدودِ حرم کی تمام مساجد میں بھی داخلہ جائز نہ ہوگا اور اسی پر اس وقت حکومتِ سعودیہ کا عمل بھی ہے۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ کا مذہب ہی اختیار کرنا چاہیے جونص قرآن مجید کے ساتھ زیادہ موافق اور دوسرے ائمہ سے زیادہ اقرب ہے اور حضرت نے اصول وقواعد کے تحت بھی اس مسلک کی مفصل دلائل سے تائید کی۔ اگر وہ کسی کی رائے کو اپنی نظر میں کتاب وسنت سے زیادہ قریب اور دوسرے مذاہب ائمہ مجتہدین سے اوفق دیکھتے تھے، تو اسی کو ترجیح دیا کرتے تھے، خواہ وہ امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہی ہو، جس طرح مسئلہ زیرِ بحث میں کیا جب کہ عام طور سے دوسری شان بہت سے اختلافی مسائل میں یہ بھی تھی کہ امام صاحب کی رائے کو ہی ترجیح دیا کرتے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کا بھی مقولہ نقل ہوا ہے کہ میرے نزدیک جس مسئلہ میں امام صاحب دوسروں سے الگ اور منفرد ہوتے ہیں، ان کی رائے سب سے زیادہ وزنی اور قیمتی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۸- حدیثِ صحاح بخاری وغیرہ انی لأراکم من وراء ظھری

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضور علیہ السلام کا اپنے پیچھے بھی آگے کی طرح دیکھنا جو اس حدیث سے ثابت ہے، بہ طورِ معجزہ تھا اور فلسفہ جدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ قوۃ باصرہ تمام اعضاء جسم میں موجود ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دنیا میں سائنس وطبعیات میں جو حیرت انگیز ترقیات ہوئی ہیں، انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں ان کی نظریں موجود ہیں اور ان کے معجزات میں یہ چیزیں قدرت نے اسی لیے ظاہر کرائیں کہ یہ آئندہ امت کی ترقیات کے لیے تمہید ہوں اور فرمایا کہ ''ضرب الخاتم'' میں

وقد قیل إن المعجزات تقدم ❁ بما یرتقی فی الخلیقة فی المدیٰ

میں اسی کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے حضرت شاہ صاحبؒ سے ایسے امور میں کافی استفادہ کیا تھا۔ وہ خود بھی فلسفہ یونانی واسلامی کے ساتھ عہدِ حاضر کے فلسفہ مغرب سے خوب واقف تھے، اس کے علاوہ ان کا اسلامیات کا مطالعہ بھی وسیع تھا، انھوں نے اپنے مشہور چھ انگریزی لکچروں کی تیاری میں بھی حضرتؒ سے کافی مدد لی تھی۔

ایک دفعہ حضرتؒ نے خود فرمایا تھا کہ جتنا استفادہ جدید معلومات کے سلسلہ میں مجھ سے ڈاکٹر اقبال نے کیا ہے، کسی اور نے نہیں کیا نیز یہ بھی فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب علوم قرآن وحدیث میں، کافی دسترس رکھتے تھے اور انھوں نے مولانا میر حسن صاحب سیالکوٹی مرحوم سے باقاعدہ پڑھا تھا۔

علم اصول وعقائد میں حضرتؒ کا علمی وتحقیقی مقام

حضرت شاہ صاحبؒ نے دربارۂ مسائل اعتقادیہ اپنے رسائل اکفار الملحدین،

عقیدۃ الاسلام اور التصریح بما تواتر فی نزول المسیح میں جمہور سلف وخلف کے عقائد کی تائید میں مفصل دلائل تحریر فرمائے ہیں۔ صحیح بخاری کی کتاب التوحید اور ابوداؤد کی کتاب السنہ کے ذیل میں ذات وصفاتِ باری عز اسمہ پر کافی وشافی بحثیں فرمائی ہیں، آپ نے مشکلات القرآن، ص: ۱۴۹، میں محدث ابن خزیمہ کی کلامی خامیوں اور غلطیوں کی طرف بھی اشارات کئے ہیں، جن کی اتباع میں علامہ ابن تیمیہ وابن قیم وغیرہ نے بابِ عقائد میں متعدد فاحش غلطیاں کی ہیں۔

اشاعرہ شیخ اکبرؒ اور دوسرے اکابر صوفیہ کے بارے میں علامہ ذہبیؒ اور ابن تیمیہ وغیرہ سے جو افراط وتفریط عمل میں آئی، اس پر بھی حضرتؒ نکیر فرمایا کرتے تھے۔ اس فن کی غایتِ اہمیت کے پیشِ نظر ضروری تھا کہ مثال کے طور پر کچھ ارشادات انوری نقل کئے جاتے، مگر مضمون کی طوالت کے خیال سے ترک کئے گئے، انوار الباری کے متعدد مواقع میں تفصیلات ملاحظہ کی جاسکیں گی۔ ان شاء اللہ۔

علمِ فقہ میں حضرتؒ کا علمی مقام

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر علم میں اپنی رائے رکھتا ہوں مگر فقہ میں نہیں اور حضرتؒ چوں کہ تمام فقہائے امت کے مدارج اقدار سے پوری طرح واقف تھے، اس لیے ترجیح کا طریقہ جلالتِ قدر ہی کی بناء پر فرمایا کرتے تھے۔ کسی فقیہ کا کوئی فیصلہ آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تو فوراً فرماتے کہ ان سے زیادہ درجہ کے فلاں فقیہ کی رائے دوسری ہے، وہ اختیار کی جائے گی۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ فقہاء نے صرف نزاع وجدال کی صورتوں کے لیے احکام لکھے ہیں، باہمی مسامحت والے معاملات کے لیے نہیں، اس لیے ان میں شدت نہ کی جائے، مثلاً فقہاء نے لکھا ہے کہ قربانی کے حصوں کا گوشت تول کر تقسیم کیا جائے، اس پر فرماتے تھے کہ اگر کمی وبیشی کی وجہ سے باہم دلوں

کے اندر کوئی خیال و خلل پیدا نہ ہو تو وزن کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

۱۹۲۷ء میں حضرتؒ نے جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس پشاور کے خطبہ صدارت میں دارالحرب، دارالاسلام و دارالامان کی فقہی تشریحات کیں، حب وطن کی شرعی حیثیت واضح کی، آیات سورۂ بقرہ ''الاالذین عاهدتم من المشركين ثم لم ينقضوكم شيئًا ولم يظاهروا عليكم احدا فأتموا اليهم عهدهم ''اور فما استقاموا لكم فاستقيموا لهم سے۔ نیز حدیث نبوی ذمة المسلمين واحدة يسعى بها ادناهم وغیرہ سے استشہاد کر کے ثابت فرمایا کہ اگر ہندوستان کے غیر مسلموں کے ساتھ برابری حقوق اور شرع اسلامی کے تحفظ کی بنیاد پر کوئی معاہدہ ہو اور وہ اس پر صدق دلی کے ساتھ پابند بھی ہوں تو باہر سے کسی اسلامی حکومت کے حملہ کا خطرہ نہیں ہوسکتا، نہ اس کو ایسے اقدام کا حق ہے، نہ مسلمانانِ ہند اس کا ساتھ دیں گے، مسلمانوں کا اسلامی فرض ہے کہ وہ معاہدہ کے تحت ملک کے ساتھ پوری وفاداری برتیں۔

مقالہ ضرورت سے زیادہ طویل ہوگیا، اس کے لیے معافی چاہتا ہوں، میرا مقصد یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نہایت ہی رفیع و بلند علمی مقام کی کچھ نشاندہی کروں کیوں کہ میں حضرتؒ کو بہ حیثیت مذکورہ نوادرامت میں سے ایک نادرہ خیال کرتا ہوں، اور جتنا بھی حضرت کے علوم وافادات میں غور و تامل کرنے کا موقع میسر ہوا اور ہو رہا ہے میرے دل و دماغ میں آپ کی عبقریت، آپ کی انفرادیت ولامثالی شان کا یقین واذعان بڑھتا جارہا ہے، اگرچہ میں اس کے اظہار و بیان پر کماحقہ قادر نہیں ہوں۔

حضرتؒ کے علوم و کمالات پر نفحۃ العنبر (مولانا بنوریؒ) حیاتِ انور (مرتبہ مولانا ازہر شاہ قیصر) مولانا ''محمد انور شاہ کشمیری کی حیات اور علمی کارنامے'' (دکتور قاری محمد رضوان اللہ) اور ''الانور'' (فاضل کشمیری عبدالرحمٰن کوندو) میں کافی ووافی ذخیرہ آچکا ہے، مگر اس سے بھی زیادہ کی ضرورت ہے اور سب سے بڑی ضرورت

حضرت کی شایانِ شان علمی یادگار کی ہے۔ اگر جموں و کشمیر مسلم اوقاف ٹرسٹ، اس طرف توجہ کرے تو یہ اس کا عظیم کارنامہ ہوگا۔

میں محترم المقام شیخ محمد عبداللہ وزیر اعلیٰ کشمیر و چیئر مین آل جموں و کشمیر مسلم اوقاف ٹرسٹ کے اس سیمنار کو منعقد کرنے کے اقدام کو مستحق صد تحسین و تبریک سمجھتا ہوں اور سب ہی کار پردازانِ سیمینار کے شکریہ پر اس مقالہ کو ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

❁❁❁
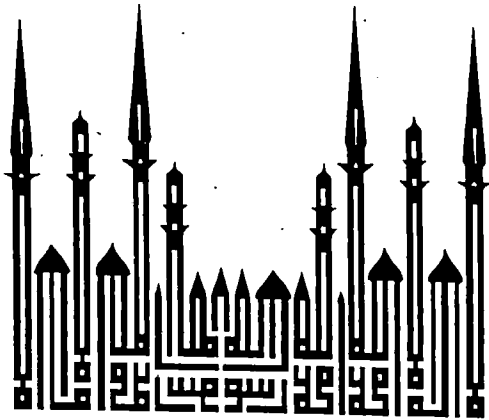
پانی ترے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
مرغانِ سحر تیری فضاؤں میں ہیں بے تاب
——— اے وادیٔ لولاب

استاذ الاکبر

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ

میرے مطالعات اور مشاہدات

از قلم

رئیس التحریر ادیب لبیب
حضرت مولانا حامد الانصاری غازیؒ

کشمیر اپنی علمی تاریخ کے اس درخشاں اور تاباں دور کو کبھی نظر انداز نہیں کرسکتا، جب اس نے علم کے نئے سرچشمے دریافت کئے اور مذہب، سماج اور سوسائٹی کی حدود سے بالاتر ہوکر خواص سے آگے بڑھ کر، عام آدمی کے لئے علم کے بند دروازے کھولنے کا انتظام کیا۔

سلطان قطب الدین شاہ ۷۵۶ھ نے ''مدرسہ قطب الدین'' کی بنیاد ڈالی، تعلیم کے لئے خاص انتظامات کئے، طلبہ کی سہولتوں کا خیال رکھا، علماء اور اساتذہ کو علم و تحقیق کے لئے مواقع فراہم کئے، ''مدرسہ سلطان زین العابدین'' بھی اسی قطب دوراں نے بنوایا جہاں اسلامی علوم کے فضلاء اور طلبہ کا ہجوم تھا (وہی ہجوم جو آج دارالعلوم دیو بند میں نظر آتا ہے) سلطان کے حکم سے مسجدیں، خانقاہیں، مندر اور مٹھ علم کے مرکزوں میں تبدیل ہوگئے اور یہ اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے معمولی بات نہ تھی[۱]، یہ مدرسہ قطب الدین پورہ ہی تھا، جس نے انسانیت کا احساس، روحانیت کا عرفان اور علم کا شعور بخشا، اس مدرسہ کے فضلاء میں شیخ جوہر محدثؒ جیسا علامۂ دوراں بھی تھا جیسا کہ حدائق الحنفیہ میں درج ہے۔

اس عہد زریں کا خاتمہ ہوا، سکھوں کا عہد آیا، ان کے اندرونی تضادات نے کشمیر کی قسمت الٹ دی، اتحاد زندگی، اختلاف موت کے رنگین نقشے کے تمام رنگ صاف کر دیئے، ڈوگرے آئے انھوں نے اپنا رنگ جمایا، کشمیر کا رنگ اڑ گیا، سمندر کی طرح تاریخ میں بھی جوار بھاٹا آتا ہے اور اسی تاریخی مدو جزر پر قوموں کے عروج و زوال کا مدار ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم کا عروج قوم کا عروج ہے اور علم کا زوال قوم کا زوال! زمین کا کوئی خطہ ہو، علمی جدو جہد انسانی اور قومی فطرت کا خاصہ ولازمہ ہوتی ہے؛ اسی لئے ہر

عروج زوال کے پیٹ ہی سے جنم لیتا ہے۔ کسے خبر تھی کہ کشمیر اپنی مجبوری، مقہوری، بیکسی اور زوال کی انتہاء پر کروٹ لے گا اور چھ سو سال بعد اپنی سنگلاخ چٹانوں کے جگر سے شیخ جوہر محدثؒ سے بڑھ کر، ایک اور جوہر پیدا کرے گا جو سید انور شاہ کشمیریؒ کے نام سے علم و تحقیق کی دنیا میں نامور ہوگا اور اس عصر کے تمام نامور علماء اس سے استفادہ کریں گے، نہ صرف علماء بلکہ اس کے اساتذہ بھی اس سے فیض پائیں گے۔

علم و شعور کی اس منزل پر اِس صدی کے نامور رہنما شیخ عبداللہ اور اوقاف ٹرسٹ کشمیر کے تاریخی اقدام کو خراج عقیدت پیش کرنا ہم سب کا اخلاقی فریضہ ہے، یہ ہماری روح کا تقاضہ بھی ہے اور آئندہ بڑے اقدامات کا پیش خیمہ بھی۔ کشمیر نے نصف صدی گزارنے کے بعد اپنے جوہر یک دانہ کو پہچانا، بڑی بات ہے۔ تاریخ کی وادیٔ مرگ میں اکابر علم و فن کے نہ معلوم کتنے مزارات ہیں، جن پر صدیوں کی بے خبری نے ناشناسی کے غلاف ڈال دیے ہیں اور آج کوئی اس مقام کا نام لیوا بھی نہیں۔

یہ بات کیا کم ہے کہ اس آسمان کے نیچے اور اس زمین پر علامہ انور شاہ کا نشان مزار موجود ہے۔ اس ''میلہ انور شناسی'' میں ہم لوگوں کا یہاں جمع ہونا کسی بزرگ کے مزار پر قوالی کا بدل نہیں ہے؛ بلکہ عرفان ذات، عرفان حق تک پہنچنے اور پورے کشمیر کو ایک ایسی یونیورسٹی کی شکل دینے کے لئے ہے، جو امام انقلاب استاذ الاکبر حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ کی زبان میں قرطبہ یونیورسٹی کے ہم پایہ ہو، کیا عجب ہے کہ ہماری تاریخ علم ''جامعہ ملیہ'' کو سمو کر کشمیر میں ''قرطبہ'' کا سراغ پا سکے۔

اب میں بات وہاں سے شروع کرنا چاہتا ہوں جہاں دوسرے اربابِ علم و تحقیق ختم کریں۔ میں نے علامہ سید انور شاہ کشمیری کو دیکھا ہے، ان کی مجلسوں میں شرکت کی ہے، ان کی خدمت میں حاضر رہا ہوں، میں نے محض ان کے دیدار کے لئے سفر کئے ہیں، میں نے ان کی درسگاہ علم میں اگلی اور پچھلی صفوں میں دوزانو ہو کر پڑھا ہے۔ یقیناً کوئی خوش قسمت ان کا پہلا طالب علم ہوگا، میرا شرف یہ ہے کہ میں ان کا آخری شاگرد

ہوں۔ یہاں علامہ کے شاگردوں میں جبال علم موجود ہیں، جو اعلم زمان ہیں، ان کے ساتھ آپ نے مجھ جیسے لا ادری کو قبول کیا، یہ بات عارف جامی کے اس شعر کے مصداق ہے جسے علامہ کشمیری نے اپنے خطبۂ صدارت پشاور ۱۹۲۷ء میں ص:۲ پر درج کیا ہے۔

ظہورِ جملۂ اشیاء بہ ضد است ❁ ولے حق را نہ ضد است و نہ نداست

علامۃ العصر کی ذات قدسی کے سلسلہ میں میرے اپنے مشاہدات بھی ہیں اور مطالعات بھی۔ یہی مشاہدات اور مطالعات میرا امتیاز ہیں۔ علامہ کے سوانح نگاروں نے جو باتیں لکھی ہیں اور جنھیں آج یہاں تازہ کیا جائے گا، ان کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ مختصر الفاظ کے ساتھ میں بھی اس وادیٔ عقیق سے گزروں گا، لیکن میری آرزو ہے کہ علامہ انور شاہ کی زندگی کے ان بابرکت واقعات کا آپ بھی مشاہدہ کریں جو میرے مشاہدہ میں آئے ہیں اور ارباب تاریخ کے لئے پرانا ہونے کے باوجود نئے ہیں۔

فرودگاہِ عالم میں

علامہ انور شاہ کا مقام پیدائش کشمیر۔ ولادت با سعادت ۱۲۹۲ھ-۱۸۷۵ء۔ مقام پیدائش، وادیٔ لولاب کا ایک گاؤں ودوان، والد بزرگوار کا نام سید معظم حسین شاہ، خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت الشیخ مسعود صاحب۔ ۹۵۰ھ میں یہ خاندان چار سو سال تک اپنی آفاقی فطرت کے ساتھ مختلف مقامات پر اپنی وطنیت اور ہجرت کے نشان منزل قائم کرتا ہوا سری نگر کے علاقہ ''نزورہ'' میں آباد ہوتا ہے اور وادیٔ کشمیر کو اپنی ایمانی، روحانی اور تبلیغی خدمات سے بہرہ ور کرتا ہے۔ ڈوگرہ عہد میں یہ خانوادہ اپنے جدی وطن وادیٔ لولاب کی گلباغ اور گلبہار سرزمین پر پڑاؤ ڈال دیتا ہے، نزورہ، لولاب، ورنو اور نیلم مسعودی خاندان کی فرودگاہیں ہیں، جہاں علم کے چمن کھلے، روحانیت کی صبح نمودار ہوئی۔ وہ قافلہ نور اور کاروان سعادت جو بغداد کے بیت الحکمت سے اخلاقی فتوحات کے لئے چلا تھا، ملتان اور لاہور کے پڑاؤ کے بعد کشمیر آبسا۔

یہ وہی کشمیر ہے جو سوئزر لینڈ سے زیادہ حسین ہے، کیوں کہ کشمیر کی خوبصورتی حسن قدرت ہے اور سوئزر لینڈ میک اپ ہے، کشمیر کو ید قدرت نے بنایا، سنوارا اور نکھارا ہے اور سوئزر لینڈ کو انسان کے ہاتھ نے۔

اور یہ وہی کشمیر ہے جس پر مغلوں نے مغل گارڈن میں کابل کے تمام پھول نچھاور کر دیئے، جسے جہانگیر نے اپنی عاقبت سمجھا اور آخری ہچکی سے پہلے ''کشمیر دگر ہیچ'' کہہ کر تاریخ کشمیر کو ایک نیا عنوان دیا۔ حفیظ جالندھری کی زبان میں ''دور انسان کی نگاہ سے دور، دور دنیا کی شاہراہ سے دور ایک وادی ہے کوہساروں میں۔ وہ سرزمین جس پر علامۃ الدہر شبلی نے قصیدۂ کشمیر کے نام سے نظم موزوں کی، جس کے پچھتر اشعار ہیں۔

شالمار است و نشاط است و نگیں است و نسیم
باغہائے کہ بہ پیراہن ڈل غالیا سا است

مولانا حالی ایسا عالم شاعر کشمیر کی وادئ گل میں پھولوں سے عطر اور پھلوں سے شیرینی لے کر گنگناتا ہے ؎

ہر چمن یاں پھول ہے اور پھل سے مالا مال ہے
جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی ہم نشیں

کشمیر کا عشق میری جان میں پیوست ہے مگر میں اس عشق کے اظہار کے لئے پہلی بار کشمیر آیا ہوں۔

بڑی مدت کے بعد آیا ہوں میں اس شہر خوباں میں
بنام میگساراں یاد یاراں لے کے آیا ہوں
عزیزان چمن ان آنسوؤں کو دیکھتے کیا ہو
میں ہر آنسو میں اک تصویر جاناں لے کے آیا ہوں

کشمیر پر حق رکھتا ہوں، میرا نغمہ سنئے، آخر انور شاہ کشمیریؒ کا شاگرد ہوں ؎

یہ سرزمین گل و گلعذار میری ہے ❁ مرے نصیب یہ ساری بہار میری ہے

اس نصف صدی میں یہی کشمیر دنیا کے بہترین خطوں میں خوبصورت ترین خطہ ہے جس کے تعارف کی سرحدیں دنیا کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ میں ایسے برطانوی، امریکی اور روسی اسکالروں کو جانتا ہوں جو علامہ سید انور شاہ کے نام سے کشمیر کو پہچانتے ہیں، میک گل یونیورسٹی کے آدم اسمتھ، سنی سوٹا یونیورسٹی کے بارکر، ہارورڈ یونیورسٹی کے کینٹ ویل اسمتھ اور لافیکلٹی لندن یونیورسٹی کے ہینڈرسن، پرنسٹن یونیورسٹی کے مسٹر آرمر اسلامی علم و تحقیق کے مرحلوں میں علامہ انور شاہ کی رائے لے کر آگے بڑھتے ہیں، دنیا میں اسلامیات اور اسلامی تحقیقات کا کوئی کتب خانہ مکمل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس میں علامہ انور شاہ کے نام کی الماری نہ ہو، علامہ کے علوم وفنون ان کے مطالعات معانی و مفاہیم، فلسفہ الٰہیات اور منطق فکر و فن کو سمجھنا آسان نہیں ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ مہم پسند اور مشکل پسند طلبہ ان مشکلات کو حل کرنے میں دل چسپی لیں گے، نئی نسل نے ہمالہ کی برف پوش چوٹیوں اور انٹارکٹیکا کے برف پوش میدانوں میں اپنی فتح کے جھنڈے گاڑے ہیں، اب اُسے علم کی بلند چوٹی کو فتح کرنا ہے۔

علامہ کی سوانح کا پہلا ورق

ہمارے علامۃ العصر کا بچپن سب سے الگ تھا، اس لئے تعلیم و تربیت کا معاملہ غیر معمولی اہم تھا۔ آپ کے والد بزرگوار نے چار سال چار ماہ اور چار دن کی عمر میں بسم اللہ کا سبق دیا، پھر تکبیر، تہلیل، تسبیح اور کلمات طیبات یاد کرائے، قرآن شریف مکمل کرایا، فارسی کی رواجی تعلیم پائی، منیۃ المصلی اور قدوری سے فقہ عربی کی ابتداء کی، گلستاں بڑی اہمیت سے پڑھی، بوستاں پڑھنے لگے، شاگرد نے عالم طفلی میں استاذ کو تھکا دیا، درس کے دوران استاذ باپ سے فقہ پر وہ سوالات کئے جن کا جواب اکابر علم کی کتابیں ہی دے سکتی ہیں۔ اسی زمانہ میں وقت کے کشمیری بزرگ میاں نظام الدین مجددی نے فرمایا ''انور بڑا عالم ہوگا، اسلامی دنیا کو فیض پہونچائے گا اور سنت

محمدی کو فروغ دے گا۔" حتیٰ کہ ایک بڑے عالم نے دیکھ کر اور پرکھ کر کہا کہ "یہ بچہ چشم بددور اپنے وقت کا رازی اور غزالی ہوگا۔"

آخر ۱۳ سال کی عمر میں ۱۳۰۵ھ میں علاقہ ہزارہ پہنچے۔ قدرت کو منظور تھا، روح کی طلب طلب صادق تھی، توفیق ربانی نے رہنمائی کی اور سید انور کو وہ سمندر مل گیا جہاں سے علم کی تمام ندیاں نکلتی ہیں اور جہاں پہونچ کر تمام ندیاں ختم ہو جاتی ہیں، یعنی مدینۃ العلم دارالعلوم دیوبند۔

علامہ انور شاہ کشمیری درس میں، اہم تر دینی اور دنیاوی مباحث کا ذکر فرماتے۔ ایمان، اعمال میں نیت کا مدار، ایمان میں جزئیت اعمال اور زیادت ونقصان، اقسام حدیث، بحث تواتر، وجود صانع، حدوث عالم، وجود الٰہ، توحید خالص، نبوت اور ختم نبوت، حقیقت روح، عالم برزخ، فطرتِ انقلاب، نظم ملت، انفس و آفاق، تغیرات عالم، نظم انسانی، شخص اکبر، انسانی روابط، غیر مسلموں کے حقوق، انسانی ارادہ، مشیت الٰہی، قدر و جبر، عقائد و اعمال، آداب اور احکام، روایت بالالفاظ، درایت بالمعنیٰ روایت بحیثیت اساس حدیث اور درایت بحیثیت فقہ حدیث، الہام اور امانت، تعلیم نبوت اور سند، احکام القرآن، امر و نہی، اعجاز القرآن، بلاغت، بیان اور لسان کے اعتبار سے مشکلات القرآن، دارالحرب، دارالاسلام اور دارالامان: کوئی موضوع ایسا نہ تھا جس کا حق ادا نہ ہوتا ہو، عمیق مسائل میں بیان دقیق ہوتا، اول درجے کے شاگرد بھی سمجھنے کا حق ادا نہ کر سکے اور غلطی کر بیٹھے۔ ایسے میں ضرورت تھی اکاڈمی کی، ایک مسئلہ پر کئی عقلیں جمع ہوتیں تو علم صحیح نکھر کر آتا۔

درس میں ائمۂ حدیث کے ساتھ امام بیہقی، ابن جریر طبری، ابن حزم ظاہری، ابن حجر عسقلانی، حافظ ابو عمر ابن عبدالبر، حافظ زکی الدین عبدالعظیم، امام عینی، علامہ محقق کمال الدین ابن ہمام ۸۶۱ھ، علامۃ الدہر شیخ محمد بن محمد ۸۶۴ھ، ابن رشد اندلسی، امام لیث بن سعد، حافظ شمس الدین سخاوی ۹۰۲ھ، شیخ عبدالوہاب شعرانی

۹۷۳ھ فقیہ ابوالولید محمد بن رشید مالکی ۵۹۵ھ، حافظ محی الدین نووی ۶۷۷ھ کے حوالے دیتے اور مناسب موقع پر اکابر دار العلوم مولانا محمد قاسمؒ و مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا شیخ الہندؒ کے استدلال لاتے۔

جدید وقدیم علوم

درسِ حدیث کی خاص بات یہ تھی کہ حدیث کا رنگ غالب رہتا۔ آپ کے یہاں فقہ کا مطلب فقہ حدیث تھا۔ مذاہب اربعہ کا بیان ہوتا اور کبھی مذاہب عشرہ کا۔ مزاج کا انکسار فطرت میں پیوست تھا، مگر کبھی کبھی مقام اجتہاد سے بے حد قریب ہو جاتے۔ مقلد ہونے پر اصرار تھا، مگر موقع ہوتا تو ائمہ کے اقوال پیش کرنے کے بعد فرماتے۔

''ہم بھی رائے رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے''

علامہ کو قدیم و جدید پر عبور تھا۔ فلسفہ جدید اور سائنسی نظریات پر عبور تھا، موسیقی کا کتابی علم بھی تھا، جو کسی طبی مسئلہ میں نبض کی تحقیق کے سلسلہ میں حاصل کیا تھا، تمام علوم کے عارف، عالم، محقق، مگر دو کتابوں کی عظمت پر حرف آخر فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ فکر و دانش کے عروج پر تھے۔ آواز پر زور دے کر فرمایا۔

''اگر تمام علوم کسی حادثہ سے ناپید اور معدوم ہو جائیں تو از سر نو تمام علوم کو دوبارہ زندہ کر سکتا ہوں، مگر گلستان سعدی اور ہدایہ کی دو سطریں ایجاد کرنے پر قادر نہیں ہوں۔''

علامہ انور شاہ کا سراپا

علامہ انور شاہ کشمیری! جسم نور کی چادر میں لپٹا ہوا، چہرہ مہتابی، چودھویں رات کا چاند۔ رنگ خوب کھلا ہوا گورا، چاند کی چاندی میں دھلا ہوا، بزرگوں سے سنا کہ جوانی میں سیب کی طرح سرخ تھے۔ ادھیڑ عمر میں رنگ ہلکا زعفرانی تھا، بڑھاپے میں سپیدی پر زردی سی چھائی رہتی تھی۔ وصال سے پہلے زردی ہی زردی تھی۔

پیشانی، شاہی مسجد دہلی کی محراب کی طرح وسیع اور بلند تھی، آنکھیں معصوم اور کسی قدر مغموم! نہ بڑی نہ چھوٹی، اکثر اوقات رکوع میں رہتیں، جب قیام کے لئے اٹھتیں تو نور یقین کی چمک سے چاندنی سی پھیل جاتی۔

جب درس میں روایت حدیث کے ساتھ درایت کارفرما ہوتی اور محسوس ہوتا کہ آپ مقام اجتہاد سے بہت قریب ہیں تو آواز میں بلند اور نگاہوں میں تیزی پیدا ہو جاتی اور شاگرد اس کی تپش اپنے سینوں میں محسوس کرتے، خاص طور سے اس وقت جب مذاہب اربعہ کے بیان کے بعد امام ابن تیمیہ سے مخاطب ہوتے اور مسلک جمہور کو ترجیح دیتے، یاں سننے والے چند منٹ میں کئی مقامات طے کر لیتے، اہل علم خود اندازہ فرما سکتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کبھی آسمان کی طرف دیکھتے اور کبھی شاگردوں کی طرف، خاص شان سے فرماتے کہ:

''میں، امام بخاری کے قدموں میں بیٹھ کر بات کرتا ہوں اور امام ابن تیمیہ سے سر اٹھا کر بات کرتا ہوں۔''

اس جملے کو کئی پہلو سے ادا کرتے اور ہم لوگ ہونٹوں کے اتار چڑھاؤ سے اندازہ کرتے کہ آج بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی ہے۔

حضرت کے ہونٹ گداز تھے، خاموشی میں محبوبیت کی شان تھی، بولنے میں محبوبیت کی شان اور دوبالا ہو جاتی۔ جب بات میں ابلاغ کی شان ہوتی تو شاگردوں کو پیار سے ''جاہلین'' کہہ کر خطاب کرتے، مگر کسی فرد کو کبھی جاہل نہ کہتے۔ قابل اور ذی استعداد طلبہ کو ''صاحب سواد'' کہتے، یہ قابل لائق صاحب سواد طلبہ تھے ادریس کاندھلوی، بدر عالم میرٹھی، محمد صدیق نجیب آبادی، محمد یوسف شاہ میر واعظ کشمیری، محمد شفیع دیوبندی، ابوالوفا شاہ جہاں پوری، محمد طیب قاسمی، عتیق الرحمٰن عثمانی، سید میرک شاہ کشمیری، لطف اللہ پشاوری، احمد اشرف راندیری، فصیح الدین بہاری،

انوارالحسن شیر کوٹی، سید محمد یوسف بنوری اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔

ہر دورۂ حدیث کے صاحب سواد طلبہ الگ ہوتے۔ میرا حال سب سے الگ تھا، نہ صاحب سواد تھا نہ جاہلین میں سے، ہمیشہ نظر خاص سے فیض یاب رہا، دل ہی دل میں اکثر حضرت الاستاذ سے مخاطب ہوتا اور کہتا

یہ مانا تیرا حسن ہے لاجواب   مری عاشقی بھی کوئی چیز ہے

آپ بھولے نہ ہوں گے کہ میں سراپا لکھ رہا ہوں، بات چہرہ سے ہونٹوں تک اور حسن سے حسنِ کلام تک پہونچی ہے۔

اب آواز پر آیئے!

آواز میں ترنم تھا اور ترنم میں گنگناہٹ تھی، جس سے آہنگ میں دل کشی کے ساتھ شان امتیاز پیدا ہو جاتی اور آواز اپنی عالمانہ خصوصیات کے ساتھ الگ پہچانی جاتی، شعر پڑھتے تو آواز کئی بلندیوں اور وادیوں سے گزرتی، کئی موڑ لیتی اور آخر میں نون غنہ لہراتا اور سننے والوں کو اس لب ولہجہ پر بے اختیار پیار آتا۔

اب قد وقامت کا تصور فرمایئے

قد نہ سرو تھا نہ صنوبر، نہ بڑا، نہ چھوٹا بلکہ درمیانہ، تن بدن نہ اکہرا، نہ دوہرا بلکہ موزں اور متناسب، سراپا میں عظمت و وقار، روحانیت کا حسن اور شخصیت کا جلال، چلتے تو راستہ بن جاتا، نظر اٹھتی تو ہجوم کے دو ٹکڑے ہو جاتے اور صراط مستقیم تیار ہو جاتی اور حضرت الاستاذ اپنے خاص شاگردوں کے ساتھ گزر جاتے۔

چال بہت ہی ہلکی، قدم بہت نرم اور بے حد نازک، اتنے نرم کہ چینوٹی قدموں کے نیچے آجائے تو درود پڑھتی ہوئی اپنی راہ چلی جائے، جب چلتے تو نظریں نیچی رہتیں، کبھی کبھی نظر اٹھا کر سامنے دیکھتے، راستے میں بات کرنے اور اِدھر اُدھر دیکھنے کی

عادت نہ تھی، چلتے ہوئے نظر کے ساتھ کمر ہلکی سی جھکی رہتی، اسی طرح قدم اٹھاتے جیسے پستی سے بلندی کی طرف جا رہے ہیں، درسگاہ سے قیام گاہ یا مسجد جاتے، دونوں طرف شاگردوں کا، صحیح معنوں میں عاشقوں کا ہجوم ہوتا۔ دل چاہتا حضرت الاستاذ ہمارے سامنے سے گزرتے رہیں اور ہم عمر بھر دیکھتے رہیں۔

لباس، تن زیب ایسا کہ اب تک نہ دیکھا نہ سنا، سر سے پاؤں تک سبز ملبّہ، سر پر سبز رومال، بدن پر سبز رنگ کا چوغا، قدموں کو چومتا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ جنت کے سبزہ زار سے کوئی فرشتہ زمین پر اُتر آیا ہے، لباس کا سبز رنگ گہرا نہ تھا؛ بلکہ کھلتا ہوا تھا۔ تصوف کے سات رنگ مشہور ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ساتوں رنگ ایک ذات اور ایک رنگ میں تحلیل ہو گئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کشمیر کی طرح آپ بھی جنت نظیر تھے۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھوں نے علامہ انور شاہ کو دیکھا، ان سے فیض پایا، ان سے درسِ حدیث حاصل کیا، ان کے فیضان علم سے علم و تحقیق کو جلا دی، ان کی صحبت سے مستفید ہوئے اور ان کی مشعل علم سے روشنی حاصل کر کے دنیا کی سرحدوں تک، ڈھاکہ سے لے کر قازانِ روس اور سائبیریا تک علوم و فنون کا نور لے کر پہنچے۔ حق یہ ہے کہ جن اہل علم اور اصحاب کمال کو اس عجوبۂ عالم شخصیت سے تعلق رہا، انھیں ہفت عجائبات عالم کو دیکھنے کی نہ فرصت ملی، نہ کبھی تمنا ہوئی۔

علمی شخصیت

صدیوں کے بعد ایک حافظ الحدیث پیدا ہوا: ۱۹۱۵ء میں تعلیمی مسند پر علامہ کا ظہور تاریخ کا عجوبہ واقعہ ہے۔ نئی شخصیت کا علمی آوازہ سن کر علمائے الٰہیات اور علمائے فلسفہ چونک پڑے، کیوں کہ ان کے علم کی قوت، کمال کی توانائی اور مطالعہ کا سمندر تھا، منقولات میں وہ قدماء کا نمونہ تھے اور معقولات میں ابن رشد کی عقل فعال، ان کا علم تمام اشکال اور حدود علم پر محیط تھا۔ اگر ہم اس عالم مادی میں عقل فعال کی وحدت کے

قائل ہوتے تو اپنے زمانہ میں علامہ انور شاہؒ کو اس کا مظہر قرار دیتے۔ علم صحیح، عقل قوی، فکر رسا اور روشنی مطالعہ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے، انفس و آفاق کی سیر کا ان کا اپنا افق نہ تھا، ان کی ذات، کیمیائے سعادت تھی۔ سعادت ایمان، سعادت روح، سعادت عقل، سعادت قلب، سعادت دماغ بلکہ سعادت کے تمام عنوانوں کا مظہر تھے، ان کی زندگی کتاب وسنت کا نمونہ تھی جس سے اتنے نمونے تیار ہوئے جن کا شمار مشکل ہے۔ وہ انسانیت کے عام مقام سے فرشتگی کے مقام تک پہونچے، مگر انھیں اس کا ذرا سا بھی احساس نہیں تھا۔ وہ، ان کا سراپا اور ان کی روح ہر شئی میں ہمارے لئے زندگی، روشنی اور رہنمائی کا سامان موجود ہے۔

علامہ کشمیری اور دار الحدیث دیوبند

عظیم محدث شاہ عبد الحق دہلوی سے لے کر علامہ انور شاہؒ تک حدیث اور درس حدیث کا سلسلہ مختلف صورتوں میں جاری رہا، ان میں اہل الحدیث بھی اپنے خاص مسائل کے ساتھ موجود تھے۔ مدرسہ رحیمیہ دہلی ۱۱۴۵ھ اور کوٹلہ فیروز شاہ دہلوی کا مدرسہ شاہی اور ولی اللٰہی مدرسہ درس حدیث کا مرکز تھے۔ شیوخ حدیث میں شاہ عبد العزیز، صدر الدین آزردہ، نواب صدیق حسن خاں اور مولانا نذیر احمد دہلوی کا نام روشن تھا۔ درس حدیث کی ندیاں جھرنے اور چشمے ہر طرف بہہ رہے تھے، صحاح اور مسانید کے نسخے عرب سے ہندوستان پہنچ چکے تھے۔ گجرات، بہار، بنگال، مدراس، صوبہ آگرہ، اودھ اور دہلی میں درس حدیث کے مدرسے، درسگاہیں اور ادارے جاری تھے۔ لیکن یہ دار العلوم دیوبند تھا، جہاں سب سے پہلا اور سب سے بڑا دار الحدیث تعمیر کیا گیا۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اسلام کی پوری تاریخ میں حدیث کی تعلیم کے لئے اس سے بڑی اور اتنی خوبصورت عمارت آج تک نہیں بنی اور اسے مبالغہ نہ سمجھئے کہ اسلامی دنیا کے ۴۵ ملکوں میں آج بھی کسی جگہ درس حدیث کی ایسی عمارت موجود نہیں ہے۔ شاہ جہاں کے عشق

نے تاج محل کے پتھروں کو حسن دیا تھا، لیکن امت کے عارفوں، درویشوں اور فقیروں نے دارالحدیث دیوبند کو وہ جمال عطا کیا ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

یہاں میں آپ سے وہ بات کہنا چاہتا ہوں جو آج تک کسی نے نہیں کہی اور نہ کسی مجلّہ میں چھپی، نہ کسی تاریخ میں لکھی گئی۔

برادرانِ کشمیر! دارالحدیث دیوبند کی یہ عمارت جس کا میں نے ذکر کیا ہے اس کی تعمیر میں علامہ سیّد انور شاہ کشمیری کا نام بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ آج سے ایک سو سال پہلے ۱۲۸۹ھ ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے صرف ۹ طلبہ فارغ ہوئے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یعقوب صاحب تھے، میرے جد بزرگوار عبداللہ انصاری اور میرے قرابتی نانا خلیل احمد انصاری ان میں شامل تھے، ۱۳۰۱ھ میں شیخ الہند محمود حسن نودرہ کی چھوٹی سی درسگاہ میں درس حدیث دیتے تھے، تیس پینتیس طلبہ کا اوسط تھا۔ شیوخ حدیث کی مبارک محنتوں کی وجہ سے حدیث کے طلبہ میں اضافہ ہوا، مشیت کا فیصلہ ہمیشہ بروقت ہوتا ہے۔ اس فیصلہ کے مطابق ۱۳۳۳ھ- ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہند نے اپنی جگہ علامہ انور شاہ کو دارالعلوم کا شیخ الحدیث مقرر کیا، درس حدیث نے نیا عروج پایا، دنیا کی سرحدوں سے، عرب سے عجم سے، بخارا، خیوہ، قازان سے، سمرقند، خوقند، بلخ، ہرات، تبت، ملیشیا، انڈونیشیا، جنوب مشرقی ایشیا سے طلبہ کے قافلے آنے شروع ہوئے، ۱۹۲۵ء تک طلبۂ حدیث کی تعداد سو کے قریب پہونچ گئی، سید انور شاہ کا فیضان جاری تھا۔ دارالعلوم میں کوئی درسگاہ اتنی بڑی نہ تھی کہ علامہ انور شاہ کے علم کی وسعتوں کے لئے کافی ہوتی، جب کوئی بڑی شخصیت نمودار ہوتی ہے تو بڑے کارنامے انجام پاتے ہیں۔ علامہ انور شاہ کے درس حدیث میں ملکی اور آفاقی طلبہ کے ہجوم کو دیکھ کر وقت کے صدر مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور ان کے رفیق حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے دارالعلوم دیوبند کے عقبی تالاب کو بھروا کر، دارالحدیث کی موجودہ عظیم عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور تب جنوبی برآمدے کے متصل نوتعمیر درسگاہ

میں علامۃ العصر نے درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا۔آج کے بیشتر علماء نے اسی درسگاہ میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کی ہے۔سو سال پہلے جہاں دورۂ حدیث کے نو طلبہ تھے اب چار سو طلبہ ہیں جو فوقانی دارالحدیث میں درس حدیث حاصل کرتے ہیں۔

اسلام کی تاریخ علم میں یہ بات سنہرے حرفوں میں لکھی جائے گی کہ دنیا میں دارالحدیث کی سب سے بڑی عمارت کی بنیاد ایک کشمیری عالم سید انور شاہ صاحب کے وجود کی برکت سے تعمیر ہوئی۔یہ بات اتنی اہمیت ضرور رکھتی ہے کہ اسے تاریخ کشمیر میں جگہ دی جائے،تاکہ کشمیر کی نئی اور نوجوان نسل اس پر فخر کرے اور اس سے فیض پائے۔

درسگاہ میں

علامہ کشمیری کی درسگاہ حدیث دارالحدیث کے جنوبی برج کے قریب،جنوبی برآمدے سے متصل اور دارالحدیث ہال کے جنوب میں تھی،ہال پر فولادی شہتیر رکھے ہوئے تھے،ابھی چھت نہیں بنی تھی۔

علامہ کی مسند قبلہ کی سمت کھڑکی کے قریب تھی،قابل طلبہ جنھیں حضرت شاہ صاحب ''صاحبِ سواد'' کہہ کر خطاب فرماتے تھے،زیادہ تر بائیں سمت باب الداخلہ کے قریب بیٹھتے تھے،معاملہ آسان نہ تھا،مگر جو طلبہ مطالعہ کر کے قرأت کی ہمت لے کر آتے تھے عام طور پر سامنے بیٹھتے تھے۔میں سیارہ تھا آفتاب کے گرد گھومتا رہتا تھا،زیادہ نہیں کم پڑھنے کی توفیق بھی ہوئی،شفقت اتنی تھی کہ ایک دو غلطی معاف ہو جاتی۔

حضرت درسگاہ میں تشریف لاتے طلبہ پر نظر ڈالتے،کسی ایک طالب علم کو گردن اٹھا کر اشارہ فرماتے،طالب علم بخاری شریف کی تلاوت شروع کرتا،طالب علم نے اعراب کی غلطی کی،ایک دو تین،فرماتے کھڑے ہو جاؤ اور اہتمام کو لکھ کر بھیج دیتے کہ یہ دورۂ حدیث کے قابل نہیں ہے۔

دوسرے دن کوئی طالب علم نحوی غلطی کرتا،اہتمام کو لکھ کر بھیج دیتے ہدایۃ النحو کے

قابل ہے، دورۂ حدیث سے اسے معاف کر دیا جائے۔
ایسا بھی ہوتا کہ طلبہ کا جائزہ لیتے تو ایک ساتھ تین طالب علموں کو قراءت بخاری کا حکم دیتے، تینوں ریل کی طرح چل پڑتے جو صحیح پڑھتا اور آگے نکل جاتا، اسے قراءت کا حکم دیتے۔
طلبہ کی استعداد کو پرکھنے کا یہ آسان طریقہ تھا۔ جو طلبہ معیار پر پورے اترتے، ان پر علم کے دروازے کھل جاتے۔ ایسے طلبہ کے سوال پر حدیث کے مفاہیم اور مطالب کی بارش ہوتی اور یہ بارش کبھی ساون کی جھڑی کی طرح برستی اور کم استعداد طلبہ کو بھی سیراب کر جاتی، اس سیرابی سے زمین کا کوئی ٹکڑا محروم نہ رہتا۔
علامہ کشمیری میں محدث کی شان تھی، فکر ونظر کی تنگی ان کے یہاں نہ تھی، روایت حدیث کی اساسی اہمیت تھی مگر روایت باللفظ کے ساتھ درایت بالمعنی ان کا امتیاز تھا، فقہی مسائل حدیث کے تابع ہوتے اور شاگردوں کو یہ احساس رہتا کہ وہ حدیث پڑھ رہے ہیں، درس میں محدثین کا ذکر چھایا رہتا، بعض احادیث پر زیادہ کلام کرتے، مگر زیادہ تر احادیث کا حق ادا فرماتے۔

رہنمائی، سیاسی اور سماجی

علامہ انور شاہ کشمیری نے ملکی تاریخ کے ایک نازک مرحلے پر اجتماعی رہنما کی حیثیت سے جس منزل کی طرف رہنمائی کی تھی وہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے۔ یہ ۱۳۴۷ھ اور ۱۹۲۷ء کا زمانہ ہے۔ ہندوستان کی ۱۹۰۵ء کی انقلابی تحریک جس کے رہنما ساور کر ہیں، ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند محمود حسن کی انقلابی ریشمی خطوط کی تحریک، ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کی خونی تحریک اور ۱۹۲۰ء کی خلافت سوراج مومنٹ سے گزر کر، شدھی سنگھٹن کی ضربوں کو سہہ کر اپنی آزادی اور خود مختاری کے لئے دستور سازی کے ابتدائی مرحلے سے گزر رہا ہے، ملک کے سامنے دو سوال ہیں: ملک کے عوام اور اس کے رہنما کیسی آزادی چاہتے ہیں اور اپنے لئے کس قسم کی حکومت پسند کرتے ہیں؟ دوسرا سوال

یہ ہے کہ اس آزادی میں انسانی رشتوں کا معاملہ کیا ہوگا؟ اکثریت جو پراچین پرم پراؤں سے رشتہ جوڑے ہوئے اور جدید جمہوری ذمہ داریوں پر کمند ڈالنا چاہتی ہے، مسلم اقلیت جو اصلی معنی میں دوسری اکثریت ہے، پسماندہ اور پچھڑے ہوئے طبقے اور قبائلی گروہ، ریاستی عوام جن کے پاس سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں ہے، نہ حکومت، نہ ثروت، نہ قیادت، پھر ان طبقوں کے اندرونی تضادات اور تفریقات اور ہزار گونہ مطالبات اور ان مطالبات سے وابستہ سوالات، کشمیر کروٹ لینے والا، دستور ساز سائمن کمیشن کی آمد آمد ہے، ملک کا مطلع گرم ہوا چاہتا ہے، ملت جس نے ۱۸۵۷ء میں تاج وتخت کے ساتھ اپنا وقار بھی کھودیا تھا، اب لاشعور سے شعور کی منزل میں داخل ہو رہی ہے۔ تاریخ کے اس موڑ پر علامہ انور شاہ کشمیری کو جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس پشاور کی صدارت کی دعوت دی گئی، جسے آپ نے قبول فرمایا اور وہ تاریخی خطبہ دیا جو آج کے حالات میں بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ آپ نے اس خطبہ میں انسان وانسانیت کی بات کی، انسانی برادری کے وجود پر کلام کیا اور ملت کے جماعتی نظام کو ایک اجتماعی نظام سے مربوط کرنے پر زور دیا۔

ہمارے ہاں خطبات صدارت کا دستور ہے کہ ملت کے ماتم سے شروع ہوتے ہیں اور ملت کے ماتم پر ختم ہوتے ہیں، مگر علامہ کشمیری کا خطاب سب سے پہلے پڑوسیوں سے ہے۔ وہ حق جوار ادا کرنا چاہتے ہیں اور باوفا ہمسایہ کی حیثیت سے ملکی عوام کے دلوں تک بات پہونچانا چاہتے ہیں۔ کسی کو نہیں معلوم کہ وہ انقلابی ہیں، مگر انھوں نے اپنے خطبہ کو انقلابات عالم کے ذکر سے شروع کیا ہے۔ فرماتے ہیں ''تمام تر فضا انقلابات اور حوادث عالم سے معمور ہے'' ع

''آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد''

علامہ نے ملک کے سامنے آنے والے انقلاب کے واضح اشارہ کے بعد عالمی ضبط ونظم پر گفتگو کی اور اسے نظام قدرت کا محکم قانون قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ:

"عالم کا وجود خود بخود نہیں کسی قوت قاہرہ کے تابع فرمان ہے، عالم کی نیرنگی اور بوقلمونی کے باوجود وہ نظم وترتیب کا پابند ہے؛ کیوں کہ عالم کے درمیان ارتباط اور رشتہ اتحاد کا سبب ہے۔"

"حضرات! مجموعہ عالم۔ عالم کبیر ہے یا شخص اکبر اس کی ترتیب وتنظیم کو عالم صغیر یا شخص اصغر پر قیاس کرنا چاہئے؛ کیوں کہ شخص اکبر اس مجموعہ عالم کا خالق ہے اس لئے اس کی غایت اور رجحان کا نتیجہ بھی ایک ہی طرف ہونا چاہئے۔"

انھوں نے مجموعۂ عالم کو عالم کبیر اور شخص اکبر قرار دے کر اور انسان کو عالم صغیر یا شخص اصغر کی حیثیت سے پیش کر کے عالمی اتحاد اور انسانی وحدت کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ اشارہ ہمارے زمانہ کے رہنماؤں کے لئے اجتماعی تنظیم کی بنیاد فراہم کرتا ہے، یہ تنظم سماجی بھی ہوسکتی ہے، اخلاقی بھی اور سیاسی بھی۔

علامہ نے کئی صفحے وطنی اتحاد پر اور چند صفحے ملی اتحاد پر تحریر فرمائے ہیں۔ محدث کبیر نے حدیث کی زبان میں ملت کو جسم واحد قرار دیا ہے، جس طرح انسانی زندگی کے لئے جسم کا ضبط ونظم لازمی ہے، اسی طرح ملت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جسم واحد کی زندگی کا حق ادا کرے، علامہ محترم اسلامی قومیت کے داخلی نظام کے لئے رابطۂ دینی اور اخوت مذہبی کو اساس کا درجہ دیتے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

"اگر یہ رابطہ درمیان سے اٹھ جائے تو ملت اسی روز تہ خاک میں دفن ہو جائے گی۔ وکم حسرات فی بطون المقابر۔ کتنے قبرستان ہیں جہاں حسرتیں مدفون ہیں، کیا ضروری ہے کہ ملت ایک اور قبرستان کے لئے تیار ہو جائے۔"

ملک کے غیر مسلموں سے تعلق علامہ کے نزدیک سب سے پہلی انسانی رابطے کی چیز ہے، اس کے بعد یہ ایک ملک کے دو انسانی اور تہذیبی گروہوں کے درمیان ایک فطری معاہدہ ہے اور معاہدے اس لئے مقدس ہوتے ہیں کہ ان کو توڑنا قومی اور بین الاقوامی اور اخلاقی قوانین کی رو سے جرم ہوتا ہے۔ علامہ نے ملکی دائرے میں اتحاد کے مسئلہ پر کئی صفحات لکھے ہیں، مگر ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانون کی خدمات

کے زیر اثر ۱۹۲۰ء کے بعد کے واقعات کی بنا پر مسلمانوں کے دامن کو ہر داغ سے پاک قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''مسلمانوں کا شمہ بھر قصور اور زیادتی نہیں کیوں کہ وہ اپنے مذہب کے مقدس احکام کے ماتحت رواداری پر مجبور ہیں۔''

ملکی اتحاد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''ہماری موجودہ نسل کا خمیر ہندوستان کے آب و گل سے ہے، ہم سچے محب وطن کی حیثیت سے ہندوستان سے محبت کرنے میں حق بجانب ہیں اور حب الوطنی کا یہ سبق ہم کو اپنے محبوب آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے، ہندوستان مسلمانوں کے علاوہ بھی سب کا وطن ہے؛ اس لئے سب کو ہندوستان سے محبت ہونی چاہئے۔ اس لئے ہندوستان کے تمام فرقوں میں آزادی کا جذبہ ایک ساتھ ایک درجہ کا ہونا لازم ہے۔ اگر اکثریت مسلمانوں کو ظلم اور تعدی کے خطرے سے حفاظت کی ضمانت دے تو مسلمان اپنے وطن کے دفاع کا سپاہی ثابت ہوگا۔''

آج سے پچاس برس پہلے کسی بڑے رہنما نے اس سے بہتر سیاسی رہنمائی نہیں کی۔ یہ آواز نہیں سنی گئی، اگر دل پتھروں کی سل نہ ہوں اور اس آواز کو سننے کے لئے تیار ہوں تو ہندوستان جنت نشان کو جہنم نشان بنانے کا کوئی تقاضا کامیاب نہ ہوگا۔

علامۂ محترم نے ۵۱ عنوانات کے ماتحت محکمۂ قضاء شرعی، انتخاب امیر، تعاون و تناصر، تباہ کن رسوم کی اصلاح، شادی غمی کے قبیح رواجوں سے بچاؤ، سودی قرض، عورتوں کی میراث، جہیز کی رسم، مسلمان عورتوں کی بے کسی اور تحفظ اوقاف پر توجہ دلائی ہے۔ یہ آج کے سماجی مسائل ہیں، جن کے متعلق علامۂ محترم نے نصف صدی پہلے روشنی دکھائی ہے، ملک اور ملت جس نے پہلے اس روشنی کو قبول نہیں کیا، بڑی بات ہوگی اگر کشمیر شیخ عبداللہ اور دوسرے روحانی عالموں اور بزرگوں کی رہنمائی میں ان اصلاحات پر عمل کرے اور ہندوستان کا رہنما بن جائے۔

حفظ حدیث

اس دور کے تمام اساتذۂ حدیث اس پر متفق ہیں کہ حضرت امام العصر علامہ سیّد انور شاہ کشمیری اپنے اصطلاحی اور حقیقی معنی میں حافظ الحدیث تھے اور پورے عالم اسلام میں حفظ حدیث میں کوئی دوسرا عالم ان کے ہم پلہ نہ تھا۔

حافظ الحدیث ایک چھوٹا سا لفظ ہے جسے زبان بڑی آسانی سے ادا کرسکتی ہے؛ لیکن جب ہم تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ حدیث کے دشوار گزار اسفار، ان کے عمیق مطالعات اور حفظ حدیث میں ان کے کمالات پڑھتے ہیں اور اسلاف حدیث کے کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ حافظ الحدیث کا لفظ زبان سے کہنا آسان ہے؛ لیکن اس کے معنی اور مفہوم کی تلاش دشوار ہے۔

علامہ انور شاہ معنی، مفہوم اور حقیقت ہر اعتبار پر حافظ الحدیث تھے، علامہ مرحوم کے درجۂ اعتبار کی بلندی کو جاننے کے لئے عہد سلف کے حفاظ حدیث کا مختصر تذکرہ ضروری ہے۔

حضرت امام احمد ابن حنبل حدیث اور حفظ حدیث میں درجۂ امامت پر فائز ہیں۔ ان کے استاذ یحییٰ ابن معین کا مرتبہ ان سے بڑا ہونا چاہئے، مگر یحییٰ اپنے شاگرد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں احمد ابن حنبل کے مانند ہو جاؤں۔ قسم ہے اپنے رب کی میں ان کے مرتبے کو نہیں پا سکتا۔ امام شعبی حافظ الحدیث ہیں، مگر فرماتے ہیں کہ **سفیان احفظ منی** (حفظ حدیث میں سفیان مجھ سے بڑے ہیں)

صاحب صحاح امام ابوعیسیٰ ترمذی مؤلف جامع ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شیخ کے دو جز لکھے تھے، حاضری کے وقت پہنچانا بھول گیا تو شیخ نے میری درخواست پر دونوں جز سنائے، میں نے سن کر حفظ کر لئے اور اسی وقت سنا دیئے۔ اس کے بعد شیخ بطور امتحان نئی احادیث پڑھتے جاتے تھے اور میں اسی وقت توجہ سے یاد کر لیتا اور سناتا جاتا، حافظہ کی برکت اور مشق سے میں نے چالیس حدیثیں سن کر اسی وقت

سنادیں، غور سے سننا اور حفظ ہو جانا ان کے لئے معمولی تھا۔ داؤد ابن سمعہ کہتے ہیں کہ ابو حاتم رازی اور ابوزرعہ کا نام حفظ میں ضرب المثل تھا۔

امام ابوسعید کو ساری صحیح مسلم یاد تھی۔ حافظ ابوالحسین النعمانی کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور امام تقی الدین بعلبکی کو الجمع بین الصحیحین صحیح مسلم اور مسند امام احمد برزبان تھی، امام تقی ایک مجلس میں ستر حدیثیں یاد کر لیتے تھے۔

امام داؤد ظاہری نے ایک شخص یعقوب بصری کو خستہ حالت میں اپنی مجلس میں دیکھا، دیکھ کر حقارت پیدا ہوئی، یعقوب نے کہا "سل یا فتی عما بدالك" اے جوان جو دل میں آئے پوچھ۔ امام داؤد نے حجامت پچھوں کے متعلق پوچھا تو اس نے حدیث افطر الحاجم روایت کر کے بیان کیا کہ کس نے اسے مسند اور کس نے موقوف اور کس نے مرسل روایت کیا ہے، اس باب کی تمام احادیث، ان کے طرق اور اصول حدیث بیان کر دیئے کہ سب حیرت میں رہ گئے۔ خود ہمارے علامہ مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس ہر شب میں پہلے ستر حدیثیں یاد کرتے پھر سوتے۔

حافظ ابن فرات بغدادی نے کتابوں کے اٹھارہ صندوق چھوڑے۔ شیخ ابن الجوزی نے اپنی انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھیں۔

موطاً کے ناقل امام یحییٰ ابن معین نے اپنے ہاتھ سے چھ لاکھ حدیثیں لکھیں، علی بن الحسین اور حضرت عبداللہ بن مبارک صرف ایک حدیث کے حقائق پر صبح کی نماز تک بات کرتے رہے، حافظ حدیث حمیدی بغداد میں حفظ حدیث کے لئے ساری رات جاگتے، امام ابوعبید بن سلاّم نے اپنی کتاب غریب الحدیث کی تصنیف اور تحقیق میں دن رات چالیس سال صرف کر دیئے، بے شبہ اس عصر کے وہ تمام علماء، شیوخ اور اساتذۂ حدیث جنھوں نے قرآن و حدیث کی خدمت میں جلیل القدر خدمات انجام دی ہیں، ہمارے محسن اور خراج تحسین کے مستحق ہیں۔ لیکن تسلیم کرنا چاہئے کہ حفاظ حدیث کے تاریخی پس منظر میں صدیوں کے خلا کے بعد علامہ سید انور شاہ کا نام نامی

ہمیں تاریخ کے افق پر جہاں نظر آتا ہے وہ سب سے الگ ہے اور وہ اسی معنی میں حافظ الحدیث تھے جس معنی میں ہمارے اسلاف علمائے حدیث تھے۔

میں صدیوں کے اس خلا کو ذکر کرنے میں تنہا نہیں ہوں، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال متوفی ۱۹۳۸ء نے ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء میں لاہور کے جلسۂ تعزیت میں فرمایا تھا۔

"اسلام کی پانچ سو سال کی تاریخ علامہ انور شاہ کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔"

(مقدمہ انوار الباری حصہ دوم ۲۴۵)

صحیح مسلم کے میرے استاذ اپنے عصر کے جلیل القدر عالم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کا قول تھا کہ:

"اس عہد کے تمام اساتذہ، درس حدیث میں علامہ انور شاہ کی اولاد کی مانند ہیں۔"

وہ انھیں حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، شیخ تقی الدین اور سلطان العلماء کا نمونہ قرار دیتے تھے۔

ندوۃ العلماء کے شیخ ابوالحسن علی ندوی کے خیال میں انھوں نے دو فنا فی العلم دیکھے ہیں: ایک علامہ انور شاہ دوسرے علامہ سیّد سلیمان ندوی۔ یہی علامہ سیّد سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ:

"علامہ انور شاہ ایک خاموش سمندر کی مانند ہیں، جن کا سینہ انمول موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

عرب و ہند کے جلیل القدر علماء کی اس قسم کی آراء کی یہی حقیقت ہے کہ علامہ انور شاہ نہ صرف حافظ الحدیث تھے بلکہ حافظ العلوم تھے اور حافظہ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔

علامہ انور شاہ کشمیری نے جو ایک مرتبہ کتاب دیکھ کر حفظ کے عادی تھے، صحیح بخاری کو تیرہ مرتبہ ایک ایک لفظ پر غور کر کے مطالعہ کیا۔ گویا صحیح بخاری اپنے طرق حدیث، الفاظ، ابواب، رواۃ اور اقسام حدیث کے ساتھ حفظ تھی، درس میں ہر ہر حدیث کی شرح کا حق ادا فرماتے اور یہ ان کا حق تھا، کیوں کہ صحیح بخاری کی چھوٹی بڑی تیس شرحوں کا اور کتب حدیث کی دو سو شرحوں کا مطالعہ کیا تھا، جو حافظہ کے بیت المال

میں سرمایۂ محفوظ کی حیثیت سے جمع تھا۔

صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی اہم کتابیں یاد تھیں جو علامہ مرحوم کے بے پناہ حافظہ پر شاہد تھیں، خود ان کے لاتعداد شاگرد آج موجود ہیں، جو اس بے مثال حافظے کے گواہ ہیں۔

حرم نبوی کے سابق استاذ اور دار العلوم دیوبند کے شیخ مرحوم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے علامہ کشمیری کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ

''میں کسی کتاب کا سرسری مطالعہ کرتا ہوں تو پندرہ بیس سال تک اس کے مضامین محفوظ رہتے ہیں۔''

مولانا مناظر احسن گیلانی نے بجا طور پر اس امر کی تصدیق کی ہے کہ ''حضرت شاہ صاحب کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ لاکھوں میں شاید کسی کا ہو۔'' مطالعہ کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ مسند احمد بن حنبل کی ضخیم جلدوں کا مطالعہ چند روز میں مکمل کر لیا، ابن ہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ جو آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے، دو روز میں مکمل کر لیا۔ پھر کتاب الحج تک اس کی تلخیص فرمائی۔ اور ابن ہمام کے مطالعات پر اپنی تعلیقات کا اضافہ بھی فرمایا۔

بے شبہ علامہ کشمیری اپنے بے مثال تبحر علمی، بے نظیر قوت حافظہ اور بے نہایت کثرت مطالعہ کے اعتبار سے ہمارے مقدس اسلاف کا نمونہ تھے، وہ قدیم و جدید علوم کی آخری سرحدوں تک پہونچے، وہ ہمارے لئے علوم و فنون کا ناپیدا کنار سمندر تھے، وہ عرفان ذات کے مقام سے انفس و آفاق کی طرف متوجہ ہوئے، انھوں نے روحانیت کی کسوٹی پر معقول اور منقول کو پرکھا، علم و یقین کے دروازے پر دستک دی جس کی ہلکی سی ضرب نے صدیوں کے بند دروازوں کو کھول دیا اور طلبہ کی فوج کو مدینۃ العلم میں نئے سرے سے داخل ہونے کا حوصلہ اور موقع دیا۔

احترامِ حدیث علامہ کشمیری کی نظر میں

سمندر میں بے شمار موتی ہیں، کچھ موتی سطح پر آجاتے ہیں باقی سے دنیا محروم

رہتی ہے، انسان پتھروں سے تمام جواہرات نکالنے پر کبھی قادر نہیں ہوا۔ یہی حال تاریخ کا ہے۔ انسان کے پاس آج جو تاریخ ہے وہ تاریخ کا ایک مختصر حصہ ہے، جو لکھا گیا ہے وہ بہت کم ہے، جو نہیں لکھا گیا وہ تمام سمندروں پر پھیلا دیا جائے تو ناکافی ہو جائے۔ قدیم متمدن قوموں کی تمدنی تاریخ کبھی نہیں لکھی گئی، جنگوں کی تاریخ لکھی گئی جو تاریخ نہیں شیطان کے کارناموں کی تصدیق ہے۔

تاریخ کی طرح اکابر کی سوانح کا بڑا حصہ نہیں لکھا گیا، علامہ انور شاہ کی مبارک اور مقدس زندگی کے بہت سے قیمتی واقعات اور مشاہدات ہیں، جو اب تک ضبط تحریر میں نہیں آئے۔

میں اپنے مشاہدات لکھتا ہوں، مشاہدات یقینی ہیں، مگر ان پر ۴۵ سال کا گردو غبار ہے، اگر معمولی تسامح ہو تو معافی چاہتا ہوں۔

۱۳۵۴ھ ۱۹۳۳ء کا زمانہ، علامہ انور شاہ کا مرض موت شروع ہو چکا ہے، وقت قریب ہے، چند شاگرد بستر کے قریب حاضر ہیں، روح میں توانائی ہے، بات کرنے کی طاقت ہے، آخر وقت میں وہ بات فرمائی کاش یہ بات پہلے بہت پہلے یا پہلے سبق کے دن معلوم ہو جاتی!

میں نے علامہ کشمیری کے حافظ الحدیث ہونے پر کسی قدر تفصیل پیش کی ہے۔ یہ سب ہی جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ علامہ حفظ حدیث میں معراج کمال پر تھے، سوال یہ ہے کہ علامہ کو یہ بے مثال کمال کیسے حاصل ہوا، سنئے علامہ شاگردوں سے فرمارہے ہیں، بستر مسند درس ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

> "میری حفظ حدیث کی قوت، احترام حدیث کا ثمرہ ہے، حدیث کے احترام کی اصل حقیقت حدیث پر عمل اور سنت کے مطابق زندگی ہے۔"

> "بہت سے لوگ علم حدیث میں کمال رکھتے ہیں، فن حدیث اور شروحات پر تقریر کی صلاحیت رکھتے ہیں، مگر عمل میں کوتاہ ہیں، توفیق کے لئے احترام حدیث شرط ہے احترام نہیں تو خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو جائے کچھ نہیں۔"

ایک شاگرد سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

''احترام حدیث کے لحاظ سے تم مجھے کیا دیکھتے ہو؟ حدیث کا مطالعہ کبھی لیٹ کر نہیں کرتا، ہمیشہ عمر بھر بیٹھ کر مطالعہ کیا ہے، تھک جاتا ہوں تو لیٹ جاتا ہوں، تھکان اتر جاتا ہے تو پھر بیٹھ جاتا ہوں اور مطالعہ کرتا ہوں۔

''درس حدیث اور مطالعہ کے وقت باوضو ہوتا ہوں، وضو کے بغیر نہ حدیث کا مطالعہ کرتا ہوں، نہ حدیث کے معانی اور مفاہیم پر غور، حدیث کا یہ انتہائی احترام ہے، میرے حافظہ کی قوت اسی احترام حدیث کا انعام ہے۔''

''تم احترام حدیث میں ذرہ بھر کوتاہی نہ کرو، تم حکمرانِ وقت کا احترام کرتے ہو، اس سے سوگنا احترام حدیثِ رسول کا کرو، یہ کلام رسول کا احترام ہے، جو قلب رسول سے نکلا ہے، حدیث رسول کا احترام ذات رسول کا احترام ہے، جسے احترام کی توفیق ہے اس کے لئے انعام کی بھی توفیق مقدر ہے۔''

یہ تو استاذ کا بیان ہے، شاگرد کا بیان سنئے:

شاگرد نے دیکھا کہ حضرت الاستاذ بیمار ہیں، بار بار پیشاب کو جاتے ہیں، ہر بار کتاب کو بند کرتے ہیں، خود اٹھ کر جاتے ہیں، الماری میں رکھتے ہیں، پیشاب کر کے آتے ہیں، کوئی شاگرد وضو کے لئے پانی دیتا ہے، وضو فرماتے ہیں، الماری کے پاس جاتے ہیں، کتاب اٹھا کر لاتے ہیں تب تپائی پر رکھ کر مطالعہ فرماتے ہیں۔

بار بار پیشاب کی زحمت ہے یہ ممکن نہیں کہ کتاب تپائی پر رہ جائے اور جب واپس آئیں تو وضو نہ فرمائیں۔

احترامِ حدیث کا یہ عالم تھا کہ کتاب حدیث کو اس کی اپنی جگہ رکھنے کو عبادت سمجھتے تھے، اگر چہ دو گھنٹے میں دس بار اٹھنا پڑے تپائی پر کتاب حدیث بے مقصد رہ جائے، اسے احترامِ حدیث کے خلاف سمجھتے تھے۔

ایک بار فرمایا:

"اگر کسی نے حدیث کی کتاب بطور قرض خریدی اور قرض ادا نہ کیا تو تعلیم حدیث حلال نہیں۔"

پھر فرمایا:

"نئے تعلیم یافتہ عبادات میں کمزور ہیں اور مولوی معاملات میں۔"

"تم نمازی پرہیز گار، تہجد گزار، روزہ دار ہو سکتے ہو، ان میں کوتاہی ہو، توبہ کر سکتے ہو، مگر حقوق العباد کا خیال نہیں کیا تو کیا ہوگا۔ سب سے بڑی چیز حقوق العباد ہیں، حقوق العباد کا خیال نہ رکھنے سے حقوق اللہ میں فرق آ سکتا ہے۔"

بہر حال یہ بات حضرت علامہ کے عقیدہ کا جز تھی، ان کا حافظ الحدیث ہونا احترامِ حدیث کا انعام تھا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
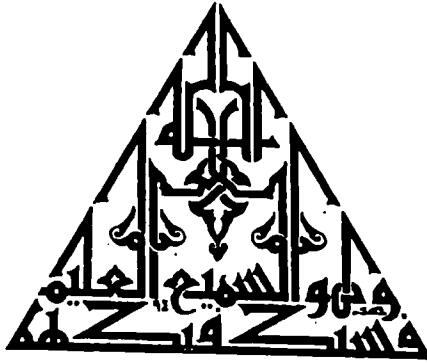
آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

تردیدِ قادیانیت کے لئے
حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا

الوداعی خطاب

تسہیل وترتیب
حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی کشمیری

کلام شورش کاشمیری در مدح علامہ کشمیریؒ

حاشیہ بردار دربارِ رسول اللہ کا ۞ ماضیٔ مرحوم کے اعجاز دکھلاتا رہا
آدمی کے روپ میں قدرت کا روشن معجزہ ۞ علم کی ہیبت سے رزم و بزم پر چھاتا رہا
سادگی میں عہد اوّل کے صحابہ کی مثال ۞ سیرتِ پیغمبرِ کونین سمجھاتا رہا

یہ جہاں فانی ہے کوئی چیز لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

شورش کاشمیری، مدیر ''چٹان'' لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ گفتگو

بہ قلم: حضرت اقدس مولانا سیّد انظر شاہ کشمیری مدظلہٗ

ایک شخص ضعف، پیری، نقاہت، علالت، بواسیر کے جاں گسل مرض سے نیم جاں، ختم نبوت پر قادیانیت کے سفاکانہ حملہ کے غم سے نڈھال، جمعہ کے روز اچانک اپنے گھر سے ڈولی میں سوار بجانب جامع مسجد چل پڑا۔ یہ کون ہے؟ عوامی لب ولہجہ میں چلتا پھرتا کتب خانہ، خواص میں علم کا پہاڑ، اسلام کی آخری صدیوں میں اپنے علم و فن، حافظہ و ذہانت، عبقریت و ذکاوت میں یگانۂ روزگار، امیر المومنین فی الحدیث حضرت شیخ الاسلام علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ، درس میں شرکاء کو وہ تاریخی جملہ محفوظ تھا جسے پھر اوراق تاریخ نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔

> ''ہم سے جہاں تک ہوسکا عصری فتنوں پر تم کو مطلع کر چکے ہیں۔ خاص طور پر وہ فتنے جو اسلامی افکار و تصورات پر براہ راست حملہ آور ہیں، دفاعی سامان بھی حسب المقدور بہم پہنچا چکے، ہم اپنا کام کر چکے، اب تمہاری توانائیوں کا مظاہرہ ہونا چاہئے''۔

یہ بیدار مغز، یہ حساس، یہ صدیقیت و فاروقیت کی تڑپ سے آشنا جو حلقۂ درس میں تمام فتنوں پر تلامذہ کو اطلاع دینا ایمانی تقاضہ سمجھتا تھا، قادیانیت کے اس ہائلہ سے کیسے غفلت برت سکتا تھا، جس کی جانب سے ختم نبوت ﷺ کے حصار پر مسلسل سنگ باری ہو رہی تھی، اس خسرو علم کو فتنہ کی ابتدا نے خواب و خور سے محروم کر دیا تھا، اس کے شب و روز اس فتنہ عمیاء کی بیخ کنی میں صرف ہو رہے تھے، جس کا علم ریز قلم تردید قادیانیت پر علم کے موتی لٹا رہا تھا، جو بہاولپور کی عدالت میں قادیانیت کے تار و پود بکھیرنے کے لئے برہان قاطع بنا، جس نے اپنے تلامذہ کو قطار اندر قطار قادیانیت کے خلاف محاذ پر جمع کر دیا، اسی نے مجلس احرار کی تشکیل اس فتنے کی سرکوبی کے لئے کی،

پھر وہ قادیانیت کی اس سمیّت پر کس طرح خاموش رہتا، جو اسلام کے افکار سے براہِ راست نبرد آزما تھی۔ خدا جانے ایک پانچ سالہ کمسن، یعنی راقم الحروف کس طرح اس قافلے میں شریک ہوگیا، جو خانقاہ دیوبند میں رہائشی مکان سے قصبہ کی جامع مسجد کی جانب بڑھ رہا تھا۔ آج تک یاد ہے نماز جمعہ سے فراغت پر ناطاقتی کا یہ پیکر جامع مسجد کی سہ دری کے درمیانی دروازہ میں اپنی خصوصی نشست یعنی دیوار سے ٹیک لگائے زانو کھڑے کئے، ہاتھ میں موجود عصا، جبین مبارک سے متصل اسی کے سہارے تشریف فرما، خاص شاگرد اور ان کی تالیف کی طباعت کے نگران اعلیٰ مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری مدظلہ (اب رحمہ اللہ تعالیٰ وبرّد مضجعہ) جو دہلی جید برقی پریس سے حضرت علامہ مرحوم کا ''الوداعی پیغام'' طبع کرا کر اسی وقت جامع مسجد پہونچے، جب بحضور رب العالمین صفیں آراستہ ہوچکیں تھیں، مسجد کا صحن و اندرونی حصہ مومنین سے لبریز تھا اور مولانا احمد رضا سب سے آخر میں۔ حضرت علامہ نے قادیانیت پر اپنا سوز دروں تقریباً آدھا گھنٹے الفاظ کی مدد سے حاضرین کے سامنے رکھا اور پھر وداعی پیغام سنانے کیلئے مولانا احمد رضا صاحب کو یاد فرمایا۔ معتقدین نے مولانا بجنوری کو ہاتھوں پر علامہ تک پہونچایا، موت علامہ کے رگ و ریشے میں داخل ہوکر اپنا کام کیا چاہتی، خود موت کا ان کو ادراک تھا، حاضرین ان کے حادثۂ وفات کو قریب تر دیکھ رہے تھے، ان حالات میں تحفظ ختم نبوّت ﷺ کا سودا امتِ مرحوم کے عمائدین کے لئے سامان عبرت ہے۔

حضرت علامہ کی موجودگی میں یارائے گفتار کس رستم و سہراب کو ہوتا، چشم فلک نے بارہا دیکھا، زعم علم حاضری دیتا تو مہر بلب، زعمائے ملت کی حاضری ہوتی تو جبل العلم کے سامنے اونٹ کی طرح دب کر نکلتے۔ دیکھا تو نہیں، سنا ہے اور جن سے سنا ثقاہت ان کی حصار بند کہ رئیس الاحرار محمد علی جوہر جن کی شعلہ بیانی تھامے نہ تھمتی، جب علامہ کی زیارت کے لئے پہنچے تو بے پناہ علم کے تصور نے انھیں لرزہ براندام کر دیا۔ یادش بخیر، مولانا ابوالکلام آزاد جمعیۃ العلماء کی ورکنگ کمیٹی میں سیاسی عقدے حل کرتے، لیکن جب کوئی

علمی بات چلتی تو یہ کہتے ہوئے خاموش ہو جاتے کہ اب حضرت علامہ کو تکلیف دی جائے۔بے چارے مولانا بجنوری جوشبابی دور سے گزر رہے تھے اور ایک تلمیذ، پھر وہ تحریر بحرالعلوم کی موجودگی میں کیسے پڑھتے؟ میں بھولا نہیں کہ ان کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔وہ سرعت رفتاری سے اس قرأت کے فریضے کو انجام دینا چاہتے تھے۔ایک دو بار تنبیہ کے لئے آواز بلند ہوئی ''بھائی ٹھہر ٹھہر کر پڑھ'' اب جب کہ ہم دونوں بوڑھے ہو چکے یعنی مولانا احمد رضا ۸۵ر سالہ اور راقم الحروف ۶۵ر سالہ تو مولانا کے سامنے اس واقعہ کا ذکر خود مولانا کے لئے حیرت انگیز تھا کہ پانچ سال کی عمر کے باوجود یہ واقعہ اپنی جزئیات کیساتھ تمہیں کیسے محفوظ رہا؟ یہ بلند پایہ تقریر ۲۲ر ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ کو ہوئی اور کوہ علم کا دنیائے دوں سے ارتحال ۳ر صفر المظفر ۱۳۵۲ھ یعنی تقریباً دو ماہ بعد ہے۔ان کی آخری تقریر اسی دیوبند کی جامع مسجد میں وفات سے تین روز پہلے جمعہ کے دن ہوئی اور پیر کے دن سانحۂ رحلت۔

عجیب اتفاق! کہ یہ پوری تقریر، برزخ اور اس سے متعلقات پر تھی، جامع مسجد کے درودیوار نے وہ الفاظ محفوظ کر لئے کہ ''یہ موت کیا ہے جس سے تم ڈرتے ہو اس کی حقیقت اتنی ہے کہ ایک جانب سے رخ اٹھا کر دوسری جانب کر لیا۔''

جس وقت یہ فرما رہے تھے چہرۂ انور کا رخ بھی پھیر دیا پھر رقت آمیز ترنم سے پڑھا۔

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں
خواب را مرگِ سبک داں مرگ را خوابِ گراں

اپنے یہ دو شعر بھی برزخ سے متعلق وقف گریہ سامعین کو پڑھ کر سنائے

(۱)
در ہمہ سیر وغربتے، کشف نہ شد حقیقتے
گرچہ شدم برنگ بوخانہ، کوبکو

(۲)
گر بودم فراغتے پس از مرگ ساعتے
شرح دہم بتو چناں قصہ بقصہ ہو بہو

ساٹھ سال گزر گئے، شائقین منتظر ہیں کہ وہ تشریف فرما ہوں، حسب دستور عباء

سبز در بر دستار فضیلت و کمال بر سر، عصا بدست اور طلباء ان کو دیکھ کر ایک دوسرے کو خبر دیں، جاء الشیخ الثقة الامین اور وہ تخت علم پر شہنشاہ علم کی حیثیت میں حسب وعدہ برزخی احوال سنائیں، پھر یاس کے عالم میں در و دیوار تک کہتے ہیں۔

کون سی رات آپ آئیں گے ❁ دن بہت انتظار کے گذرے

قادیانیت سے متعلق یہ تحریر فتنۂ قادیانیت کے کچے چٹھے پر مشتمل ہے، مدعی نبوت کے نشیب و فراز، اس کی علمی بے بضاعتی، اس کے سرقے، اس کی تکفیر میں تذبذب، کفر و ایمان کی تنقیح، مذبذبین کے لئے صراط مستقیم، قادیانی کی وجوہ کفر کی تفصیل، تلامذہ کو آخری وصیت، کشمیر کے مہاراجہ کو انتباہ، علمی انحطاط کے دور میں علامہ زمن کے ارشادات کو کون سمجھتا؟ اس لئے ظلوم وجہول نے تسہیل کے لئے قلم اٹھایا، خدا جانے کامیاب ہوا کہ ناکام۔ ''نقش دوام'' سوانح الامام الکشمیریؒ میں راقم الحروف نے علامہ کی سیاسی زندگی پر کچھ اشارے دیئے تھے۔ دارالمصنفین اعظم گڈھ کے ایک بزرگ پر یہ گراں گزرے، اسی حلقے کے فاضل اجل بزرگ انشاء پرداز مولانا عبدالماجدؒ دریا آبادی مرحوم کا وہ تبصرہ جو حضرت علامہ کے خطبۂ صدارت پر دریا آبادی قلم نے قلم بند کیا تھا، پیش خدمت ہے۔ شاید وہ بزرگ جو ابھی حیات ہیں اور بوریا نشین علماء سے سیاسیات میں بدگمان، اسے پڑھ کر اپنی رائے پر نظر ثانی کریں، انھی دریا آبادی کا وہ تعزیتی اداریہ بھی شریک طباعت ہے، جس کے مطالعہ کے بعد جہان علم پھر اس بدقسمتی پر آنسو بہائے گا کہ عیدگاہ کے ایک گوشے میں کوئی شخصیت دفن نہیں بلکہ حافظہ، ذاکرہ، تبحر ورزانت، عبقریت اور وفور دانش کا مرقع ۳ رصفر ۱۳۵۲ھ کو ظہر وعصر کے درمیان تہہ خاک نمناک کیا گیا ہے، فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وبرد اللہ مضجعہ

وانا الاحقر الافقر محمد انظر شاہ مسعودی

رجب المرجب ۱۴۱۵ھ (طبع اول)

۱۴۲۶/۱/۱۲ھ (طبع دوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوداعی خطاب

بندۂ درگاہ الٰہی محمد انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ ایک مسلمان کی حیثیت سے جملہ مسلمانوں سے عرض پرداز ہے کہ دنیا کی حقیقت جو جملہ آسمانی ادیان سے معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ دنیا ماضی اور مستقبل سے گھری ہوئی ہے۔ مستقبل بھرپور ابھی سامنے نہیں چوں کہ میری تحقیق میں کسی زمانے کو ماضی سے تعبیر کرنا اور کسی کو مستقبل کے عنوان سے یاد کرنا ہمارا اور آپ کا فیصلہ ہے، ورنہ تو خدا تعالیٰ کے یہاں نہ تو ماضی ہے اور نہ مستقبل، جیسا کہ طبرانی نے ابو مسعود سے روایت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں نہ صبح ہے اور نہ شام۔ اگر خدا تعالیٰ سے زمانے کا تعلق نہ رکھیں تو زمانے کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ واقعات پیش آرہے ہیں اور گزر رہے ہیں۔ جو گزر چکے اس کو ہم ماضی کہتے ہیں اور جو پیش آنے والے ہیں ان کو مستقبل کا نام دیتے ہیں۔ اس سے آپ سمجھے ہوں گے کہ ماضی اور مستقبل کی تقسیم صرف ہماری اور آپ کی ایجاد ہے، کوئی حقیقی نہیں۔ حوادث کتنے ہی ہوں پھر بھی قِدم کو پُر نہیں کر سکتے، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ماضی کی جانب بھی بالفعل غیر متناہی نہیں حالاں کہ عام طور پر اسے غیر متناہی سمجھا جاتا ہے، میں دنیا کی دونوں جانبوں یعنی ماضی و مستقبل کو غیر متناہی سمجھتا ہوں اور دونوں طرف میں منقطع بھی۔ یہ بھی واضح رہے کہ زمانہ کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ انھیں حوادث کا ایک اثر ہے، یہ جو کہتے ہیں کہ ایک چیز فنا ہو رہی ہے اور دوسری اس کی جگہ لے رہی ہے یعنی ''تجدد امثال'' جیسا کہ چراغ بظاہر وہ مسلسل روشن ہے، لیکن بتی میں ایک قطرہ تیل فنا ہوتا ہے

اور معاً دوسرا قطرہ اس کی جگہ لیتا ہے اسے تجدد امثال کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی بالکل صحیح و طے شدہ ہے۔ پھر یاد رکھنا چاہئے کہ مادہ وصورت میں مادہ کثرت کو لئے ہوئے ہے اور صورت سے وحدت نمایاں ہوتی ہے۔ عمارت کو لیجیے کہ اس میں کتنی چیزیں صرف ہوتی ہیں، اس کثیر سامان سے جو عمارت شکل پذیر ہوتی ہے، اسے واحد نام دیا جاتا ہے یعنی مکان، محل، کوٹھی، یا بنگلہ۔ ایسے ہی پوری دنیا کو سمجھئے کہ اس کا نظام واحد ہے، حالاں کہ اجزاء دنیا کے بکثرت ہیں۔ یہ جو نظام واحد ہے وہ شخص اکبر ہے۔ یوں نہ سمجھئے کہ گودام میں سینکڑوں چیزیں رہتی ہیں اور وہ انتظامی وحدت سے محروم ہوتا ہے۔ تو دنیا بھی ایسی ہی ہوگی، ایسا نہیں بلکہ دنیا میں وحدت نظم ہے۔ حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے عناصر یعنی پانی، آگ، ہوا پیدا کئے گئے اور زمین و آسمان کی بھی تخلیق ہوئی، یہ سب اپنی ابتداء میں مادہ کی شکل میں رہے، آدم کی تخلیق کے بعد ان منتشر اجزاء میں وحدت پیدا کی گئی اور یہ وحدت اب صورت ہے، متفرق اشیاء میں یک جہتی کا راستہ سوائے ترتیب اور نظم کی وحدت کے اور کوئی نہیں۔

الحاصل! آدمؑ بحیثیت خلیفہ ہیں اور پوری دنیا ان کی رعایا، نتیجتاً پورا عالم شخص اکبر کہلائے گا۔ حضرت آدمؑ نے اپنے عمل سے انسانوں کو یہ راہ دکھائی کہ جب خدا تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہو تو انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی نافرمانی کی جواب دہی کرے اور نافرمانی کے منشاء کو اپنی صفائی میں پیش کرے، بندہ کو تو صرف اتنا چاہئے کہ ایسی صورت میں خدا تعالیٰ کے رحم کی دہائی دیتے ہوئے اپنے جرم کا اقرار، عفو طلبی، مغفرت کی درخواست اور رحم کی بھیک مانگے۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ.

اسی قصہ آدمؑ میں ابلیسی کردار کو بھی دیکھئے کہ اس نے سجدہ سے انکار کیا۔ پر جب خدا تعالیٰ نے باز پرس کی تو بجائے اعتراف جرم کے کٹ حجتی پر اتر آیا۔ نتیجہ معلوم ہے

کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ملعون ہوا۔ موجودہ کائنات میں اپنے عمل کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت آدم کی روش کو اپنائے ہوئے ہیں اور معتزلہ شیطانی انداز پر گامزن۔ اور چوں کہ آدم علیہ السلام خلیفہ تھے اور شیطان نے ان کو سجدہ کرنے سے انکار کیا، جس کا حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا تو معلوم ہوا کہ باشاہ کے خلیفہ سے انحراف درحقیقت بادشاہ سے انحراف ہے، یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ ہم نے بادشاہ کی حکم عدولی نہیں کی بلکہ ہمارا جھگڑا خلیفہ سے ہے، گویا کہ بادشاہ اور اس کے خلیفہ میں تفریق کھلا انحراف ہے۔

نیز حضرت آدم علیہ السلام خلیفہ و نبی دونوں تھے اور شیطان ایک نبی سے محاذ آرائی کے نتیجے میں مردود ٹھہرا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء پر ایمان، ایمان کا لازمہ و تقاضہ ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام تک دنیا میں ایمان کے سوا کوئی چیز نہ تھی؛ لیکن قابیل جو حضرت آدمؑ کا بیٹا تھا اور جس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے کفر کی تخم ریزی کی تھی، اسی کی نسل میں کفر برگ و بار لایا۔ اس کفر کے استیصال کے لئے سب سے پہلے پیغمبر حضرت نوحؑ مبعوث ہوئے، اب کفر شاخ درشاخ ہو گیا اور ایک فرقہ صابئین کے نام سے سامنے آیا۔ یہ سفلی علوم سے علوی اشیاء کو مسخر کرنے کا نظریہ رکھتے ہیں جیسا کہ آج کل اپنے محبوب یا جن و ہمزاد کو قبضے میں لانے کے عمل کئے جاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ ہمیں نہ خدا کی ہدایت کی ضرورت ہے اور نہ اس کے انبیاء کی۔ ہندو ازم اسی صابئیت کا چربہ ہے۔ یہ تو اس حد تک گرے کہ منتروں سے خدا تعالیٰ کے مسخر کرنے کی سوچنے لگے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام جو کچھ تعلیم دیتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ بندے ہو کر رہو اور ہمیشہ بندگی کا مظاہرہ کرو اور یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ اپنے اختراعی طریقوں پر عمل نہ کرو، بلکہ عمل صرف باری تعالیٰ کی ہدایت پر ہونا چاہئے۔

صابئین کی گمراہی سے نمٹنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث کئے گئے حضرت ابراہیم کو "حنیف" کہا گیا جس کا مطلب جملہ اغیار سے کٹ کر خدائے حقیقی

سے لو لگانا ہے۔ شیخ فرید عطار نے اپنے ایک شعر میں کہا اور خوب کہا کہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر خدائے واحد سے لو لگاؤ تمہارا دل ایک ہی کی طرف مائل ہو تو جہاد کے لئے وہی قبلہ ہو، دوئی کا تصور تک نہ آنے دو۔

آسمانی دین جو ابتدا سے خاتم الانبیاء تک ایک دین تھا، اس کی تکمیل دور رسالت آنحضور ﷺ میں کر دی گئی اور یہ اعلان ہوا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" اور یہ بھی "مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ" پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ دین مکمل ہو گیا اور اس کا کوئی جزو باقی نہیں رہا اور یہ بھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے متفقہ دین کی دعوت دے رہے ہیں، تو آپؐ پر ایمان گویا کہ سب انبیاء پر ایمان ہے۔ ملعون قادیانی یہ کہتا ہے کہ بعد میں میری نبوت ہے اور جو مجھ پر ایمان نہیں لائے گا، وہ مومن نہیں۔ ظالم نے یہاں تک لکھ دیا کہ جو دین مسلسل نبی نہیں پیدا کرتا وہ دین ملعون ہے۔ والعیاذ باللہ۔

گویا کہ یہ شوشہ اٹھا کر اپنی نبوت کی راہ ہموار کرنا چاہتا ہے۔ میں سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت عالم منتشر اجزا کا نام نہیں؛ بلکہ اس نے ایک وحدت کی شکل اختیار کر لی، ایسے ہی آنحضور ﷺ نے سمجھایا کہ نبوت عمارت ہی کی طرح ایک چیز ہے اس کی بنیاد پڑی، عمارت اٹھی، عمارت کی تکمیل میں ایک اینٹ کی کمی تھی جو آنحضور ﷺ کی نبوت سے مکمل کر دی گئی تو نبوت و رسالت کی عمارت ناقص نہ رہی کہ اس کی تکمیل کی ضرورت پڑے۔ اس تکمیل عمارت کا اعلان خود قرآن مجید نے کیا۔ اسے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ آفتاب ہے اور ایک اس سے نکلنے والی روشنی وشعائیں، آفتاب اور ہے اور اس کی روشنی دوسری چیز، اسی طرح نبوت اور ہے، کمالات نبوت یا فیضان نبوت شئے دیگر۔ تو جو کمالات نبوت ہیں وہ باقی ہیں؛ لیکن ان کو نبوت کا بقا نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً آفتاب غروب ہو جاتا ہے، اس کی پیدا کردہ گرمی باقی رہتی ہے۔ کیا اس گرمی کو آفتاب کہا جا سکتا ہے؟ بقائمی ہوش وحواس کوئی اتنی کمزور بات

نہیں کہے گا۔اجزاء وجزئیات کا فرق یاد کیجئے۔ مثلاً انسان کی انگلی کو انسان نہیں کہتے ہاں زید کو انسان کہتے ہیں۔ایسے ہی کمالات یا فیوض نبوت کے اجزاء ہیں،ان پر نبوت کا اطلاق صحیح نہ ہوگا،نبوت کوئی جزئی نہیں جس پر ہم نبوت کا اطلاق کردیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم نبوت کے عقیدے کی اشاعت اس درجہ کی کہ یہ مسئلہ ضروریات دین سے ہوگیا۔اگر کوئی آپ کو خاتم النبیین نہیں مانتا یا ختم نبوت کے عقیدے میں تحریف کرتا ہے تو اس کا کفر قطعی ہے۔ایک بڑی غلط فہمی صوفیاء کے اقوال سے ہوتی ہے بعض صوفیاء چوں کہ نبوت غیر تشریعی کا تسلسل مانتے ہیں،اس سے بعض گمراہوں نے غلط فائدہ اٹھایا اور دعوائے نبوت کر بیٹھے۔یاد رکھنا چاہئے کہ ان صوفیاء نے خود وضاحت کی کہ ہماری مراد نبوت سے لغوی ہے یعنی پیشین گوئی، اصطلاحی نبوت مراد نہیں۔ جب کہ ختم نبوت کا وہ عقیدہ جو ضروریات دین میں سے ہے، اس سے اصطلاحی نبوت مراد ہے۔ اصطلاحی نبوت عطیۂ الٰہی ہے اسے کوئی جدوجہد سے حاصل نہیں کرسکتا۔ختم نبوت کو قرآن نے بھی صاف کیا اور متواتر احادیث سے بھی یہ ثابت اور امت بھی اس پر متفق ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی آنے والا نہیں، مسیلمہ کذاب کو جو قتل کیا گیا تھا، وہ اسی بنا پر کہ وہ اصطلاحی نبوت کا اپنے لئے دعویٰ کرتا تھا، مسیلمہ میں اور بہت سی اخلاقی کمزوریاں بھی تھیں، جن کا تقاضا تھا کہ اس سراپائے معصیت کو ختم کردیا جائے؛ لیکن مشہور مؤرخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ کو اس مردود کی اخلاقی کمزوریاں بعد میں معلوم ہوئیں، اس کے قتل کی بنیاد دعوائے نبوت تھا، نہ کہ اخلاقی رذائل۔

افتادِ دنیا کچھ اس طرح ہے کہ آئے دن برائیاں جنم لیتی ہیں، چنانچہ الحاد اور زندقہ دنیا میں رونما ہوئے۔ الحاد اور زندقہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بدنصیب دین میں گڑبڑ کرے کہ نام تو پرانے رہیں، لیکن حقیقتوں کو بدل دیا جائے، جیسا کہ کوئی دعویٰ کرے کہ

میں اصلی گھی فروخت کرتا ہوں مگر گھی بناوٹی ہو، ایسے ہی ملحد و زندیق دین کا نام استعمال کرتا ہے، مگر جو کچھ پیش کرتا ہے وہ دین ہرگز نہیں ہوگا۔ دہلی میں ایک صاحب چارپائی کے پائینتی کے صرف سیروے فروخت کرتے اور یہ کہتے ''دو نہیں لمبے بڑنگے''، یعنی چارپائی کی دونوں طرف کی پٹیاں ندارد ''ایک نہیں سرہنے کا'' یعنی سرہانے کی بھی پٹی غائب ''چار نہیں ٹیکن کے'' یعنی چاروں پائے بھی نہیں اور لو چارپائی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ چارپائی آٹھ چیزوں کا مجموعہ ہے، وہ فروخت کنندہ صرف ایک حصہ فروخت کرتا، پھر بھی چارپائی کا نام اختیار کرتا، ایسے ہی ملحد و زندیق دین کو مسخ کرتے ہیں اور پھر لفظ دین استعمال کرتے ہیں اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خاموش انداز میں دین کی بیخ کنی کرتے رہیں اور ان پر دین کو تباہ کرنے کا الزام بھی عائد نہ ہو۔

مغرب کے تسلط نے ہماری متاع ایمان کو طرح طرح سے لوٹا تا آں کہ ختم نبوت کے عقیدے پر بھی ہاتھ صاف کیا اور غلام احمد قادیانی سے نبوت کا دعویٰ کرا کر اسلامی معاشرہ میں اضطراب و بے چینی کی لہر پیدا کی۔ حالاں کہ یہ قادیانی کوئی علمی استعداد نہیں رکھتا، عربی لیاقت تک بندی کی حد تک ہے، دوسروں کے مضامین چرا کر اپنی طرف منسوب کرتا ہے، صوفیاء کے حقائق کو قطعاً نہیں سمجھتا، اس لئے تفسیر بالرائے کا ارتکاب کیا، قرآن کی آیات کو بکثرت غلط استعمال کیا اور تفسیر کے نام پر کھلی تحریف کی، باب اللہ اور بہاؤالدین کے فاسد مضامین کو اپنے علوم خصوصی بتائے، ان دونوں کی تصانیف ہندوستان میں پہلے عام طور پر مہیا نہ تھیں، اس لئے عوام جان نہ سکے کہ قادیانی کہاں سے یہ مضامین لیتا ہے۔ اب کہ ان کی تالیفات سے ہندوستان واقف ہوا تو اہل علم نے اس راز کو کھولا کہ قادیانی ان ہر دو گمراہ کی چیزیں بلا جھجک اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس جہالت کے باوجود دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے انبیائے سابقین کو زندہ کیا اور ہر رسول میرے زیر دامن ہے، اس کی ہفوات میں سے ہے:

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ❁ ہر رسولے نہاں بہ پیراہنم

ایسی ہی ہرزہ سرائی کو دیکھ کر کسی نے خوب کہا ہے کہ اپنی حقیقت کسی صاحب نظر کے سامنے رکھو، چند احمقوں کی تصدیق سے عیسیٰ بننا ممکن نہیں۔

بنما بصاحب نظرے گوہر خودرا ❁ عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند

حالاں کہ واقعی عیسیٰ اور دجال میں بعد المشرقین ہے، باپ نے تو دعویٰ نبوت کیا اور اس کا بیٹا محمود نامی ظلم کی انتہا کرتا ہے کہ اپنے گمراہ باپ کی نبوت کو رسول اکرم ﷺ کی رسالت سے افضل واعلیٰ قرار دے کر اسی مضمون پر قادیانیوں سے بیعت لیتا ہے۔

والعیاذ باللہ! قادیانی نے صاف لکھا کہ جو مجھے نبی نہیں مانتا، وہ کافر وولد الزنا ہے اور یہ بھی کہا کہ میری وحی قرآن کی ہم رتبہ ہے، اپنی شریعت کو شریعت جدیدہ کہتا ہے گویا کہ مستقل شریعت کا بھی مدعی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ میری شریعت نے جہاد کو منسوخ کر دیا۔

قادیان کو مکہ معظمہ کا ہم سر قرار دیا، لکھا کہ اب حج قادیان میں ہوگا، مکہ معظمہ میں نہیں، بجائے زکوٰۃ کے اپنے بیت المال میں چندہ دینا فرض بتایا، کیا یہ امور ضروریات دین کا انکار نہیں؛ حالاں کہ میں واضح کر چکا کہ ضروریات دین کا انکار تاویلاً بھی کفر ہے۔ عالم کے قدیم ہونے کا قائل اور قیامت کو صرف ایک تجلی بتاتا ہے۔ ان خرافات پر صوفیاء کے اقوال سے استدلال کرتا ہے۔ حالاں کہ یہ جاہل؛ صوفیاء کے مضامین ومعارف سے قطعاً ناواقف ہے، کہتا ہے کہ صوفیاء بھی قیامت کو تجلی کہتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ کسی معتبر صوفی نے قیامت کو تجلی قرار نہیں دیا۔ یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ جاہل اور اس کا بیٹا ابوجہل عالم کے قدیم ہونے کے مسئلہ کو قیامت تک نہیں سمجھ سکتے، بے حیائی کا یہ عالم ہے کہ بار بار اس کی پیشین گوئیاں غلط ثابت ہوئیں۔

اس پر بجائے شرمندہ ومحجوب ہونے کے تاویلات کے درپے ہو گیا۔ یہ تقدیر کا بھی منکر ہے اور فرشتے جن کے نورانی وجود اور موجود ہونے کے ساتھ قرآن کریم ان کی

دنیا میں آمد ورفت کی اطلاع دیتا ہے، قادیانی نے ان سب حقائق سے انکار کیا ہے اور لکھا کہ فرشتوں کا وجود کوئی نہیں؛ بلکہ کچھ قوتیں ہیں جن کو فرشتوں سے تعبیر کیا گیا۔ حیات حضرت عیسیٰؑ جس کی خبر تواتر تک پہونچ گئی اور حضرت عیسیٰؑ کا مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ جسے قرآن کریم نے صراحتاً ذکر کیا، یہ قادیانی اسے شرک وکفر بتاتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر کسی دین میں نبوت باقی نہیں رہی اور انبیاء پیدا نہیں ہوتے تو وہ دین ملعون و مردود ہے۔ اس کے علاوہ ایسے بہت سے امور جو متواتر ہیں اور دین میں بنیادی حقیقت رکھتے ہیں، قادیانی نے ان میں تحریف کی حالاں کہ یہ زندقہ وکفر ہے اور ایسا گھناؤنا جرم جیسا کہ کوئی نماز کی حقیقت کو بدل دے۔ اس نے یہ کہہ کر کہ تمام انبیاء میرے مقتدی ہیں اور میں ان کا امام، تمام انبیاء کی توہین کی ہے، جو بجائے خود کفر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی اہانت میں تو وہ ہاتھ صاف کیا جس کو دیکھ کر ایمان تھراتا ہے، ظالم نے ان کی توہین کو تو اپنا مستقل موضوع بنایا، اس دجال نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسلسل توہین سے یہ چاہا کہ حضرت عیسیٰؑ کو بے عزت کر کے اپنی عزت و وقعت کی راہ ہموار کرے اور مناسب وقت پر خود عیسیٰؑ ہونے کا دعویٰ کرے، جب کہ ہندوؤں کے پیشواؤں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتا، بلکہ ایک حد تک ان کی تعریف وتوصیف کرتا ہے۔

میں نے اپنے مطالعہ میں مناطقہ، فلاسفہ، سائنس دانوں، صوفیاء واولیاء کو اپنے علوم پر متفق نہیں پایا، بلکہ فقہاء تک استخراج مسائل میں ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں۔ شیخ اکبر، غزالی الامام، مجدد الف ثانیؒ کے حقائق پر اختلافات مشہور ہیں غرض کہ ہر جماعت میں اختلافات ہیں، بجز حضرات انبیاء کے کہ ان کا باہمی اتفاق ہے، ان کے علوم ایک دوسرے کے متناقض نہیں۔ اس سے میں نے سمجھا کہ علوم انبیاء علیہم السلام کا اس دنیا سے تعلق نہیں، بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے عطیہ اور وہبی علوم ہیں، جبھی تو سب انبیاء ان پر متفق ہیں، مگر اس ظالم قادیانی نے علوم انبیاء کو بھی ایک دوسرے سے متصادم کر

کے دکھایااور جوفرقہ تیار کیا، اس کو یہی تاثر دیا کہ انبیاء بھی اپنے علوم سے متفق نہیں۔

قادیانی نے ابتدا میں خود کو عیسیٰؑ قرار نہ دیا تھا، بلکہ حضرت عیسیٰؑ کا خود کو مثیل بتایا چنانچہ اشتہار مورخہ ۲/اکتوبر ۱۸۹۸ء اور اپنی کتاب "عسل مصفیٰ" نام کی جلد دوم صفحہ ۵۲۸ میں لکھتا ہے کہ (مجھے مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ نہیں اور نہ میں تناسخ کا قائل ہوں بلکہ مجھے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ ہے) اس کے بعد اربعین جلد ۴ صفحہ ۱۸ میں یہ بے ہودہ گوئی کہ (سو اس نے —یعنی خدا تعالیٰ— قدیم وعدہ کے موافق اپنے مسیح موعود کو پیدا کیا جو حضرت عیسیٰ کا اوتار اور احمدی رنگ میں ہو کر جمالی اخلاق کو ظاہر کرنے والا ہے)

یہ مضمون علم کلام مرزا نامی کتاب صفحہ ۵۹، مرزائیت کی تردید نامی کتاب صفحہ ۲۵/۲۰ پر موجود ہے، چوں کہ میں بار بار "ضروریات دین" کی اصطلاح استعمال کرتا رہا، اس لیے اس کو واضح کرنے کے لئے کچھ تفصیل کرتا ہوں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ ضروریات دین وہ شرعی متواترات ہیں، جن کی تبلیغ واشاعت پیغمبر اسلام نے اس کثرت سے کی کہ اب ان کا علم خواص سے گزر کر عوام تک پہونچ گیا بشرطیکہ وہ عوام دین سے کچھ سدھ بدھ رکھتے ہوں، ایسے امور شریعت میں بدیہی امور ہوتے ہیں، ان امور کی مراد وہی معتبر ہوگی جو خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھائی، پھر ان کو سلف خلف کو پہونچاتے رہے اور یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا، ان کی مراد میں تحریف یا ان کو قبول کرنے سے انکار کفر والحاد ہے۔

ضروریات کا مطلب وہ ہدایت ہے، جس کا ہمیں علم کسی غور وفکر کے بغیر حاصل ہو اور متواتر میں یہ ضروری ہے کہ اس کی نقل کرنے والے اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ان کا کذب پر اتفاق محال ہو، یہ بھی پیش نظر رہے کہ جملہ فنون جو تدوین پاچکے، ان فنون کی اختصاصی شخصیتوں کے نزدیک اپنے متواترات ہوتے ہیں، صرف ونحو میں متواترات کثیر ہیں کوئی صرفی ونحوی اس میں شبہ نہیں کرتا، ارباب لغت کے یہاں بھی

کچھ ایسے امور ہیں، جس پر اس فن کی اساسی شخصیتیں اتفاق رکھتی ہیں۔ جب یہ سمجھ میں آگیا تو یاد رکھئے کہ قرآن کریم اپنے ایک ایک حرف کے اعتبار سے متواتر ہے اور شریعت میں اس کے علاوہ کچھ امور متواترات ہیں، جیسے وضو میں کلی کرنا یا ناک میں پانی دینا، مسواک وغیرہ، یہ بھی واضح رہے کہ ایسا نہیں کہ ضروریات دینیہ فرائض مؤکدہ ہی ہوں؛ بلکہ مستحب بھی اگر شارع سے بتواتر ثابت ہو؛ بلکہ مباح، جیسے کہ ''جو'' اور ''گیہوں'' کی اباحت یہ بھی ضروریات دین سے ہوں گے، حالاں کہ یہ صرف مباح تھے مستحب بھی نہیں۔ اب جو اور گیہوں کی اباحت اور اس کے حلال ہونے کا کوئی انکار کرتا ہے تو اس کا کفر قطعی ہے۔ چوں کہ امت از عہد رسالت تا ایں وقت ان دونوں کو برابر کھا رہی ہے اور حلال کہتی ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ''جو'' کسی کو طبعاً مرغوب نہ ہو اور وہ اسے استعمال نہ کرے؛ لیکن اگر کوئی اس کے مباح ہونے کا انکار کرتا ہے تو اسے کافر ٹھہرایا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ لفظ ضروریات عقیدے و نبوت کی ضرورت پر دلالت کر رہا ہے۔ ضرورت عمل جوارح پر اس کی دلالت نہیں اور یہ بھی بات کھل گئی کہ جملہ ضروریات دین ایمان کے اجزاء ہیں، صرف توحید و رسالت ہی کو ایمان نہ کہا جائے گا؛ کیوں کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ رسالت پر ایمان کا مطلب یہی ہے کہ انبیاء و رسل جو خدا تعالیٰ کی طرف سے پیش کریں وہ مجموعۂ ایمان ہوگا۔

الحاصل: مسواک سنت ہے اور اس کی سنیت کا عقیدہ فرض ہے اور اس سلسلہ کی معلومات کا حاصل کرنا بھی سنت ہے، اگر کوئی دیدہ و دانستہ اس کی سنیت کا انکار کرتا ہے تو یہ بھی کفر ہے اور اگر کوئی ان تفصیلات سے لاعلم ہے تو اسے بدقسمتی کہیں گے۔ ہماری شریعت میں بہت سے متواترات ہیں جنھیں نسلاً بعد نسلٍ منتقل کیا گیا ایک طبقہ دوسرے طبقے کو پہونچاتا رہا۔ یہ کس احمق نے کہا کہ تواتر اسناد ہی ضروری ہے اور یہ بھی کہ اجزائے ایمان وہی چیزیں ہیں، جن کی پیغمبرؐ نے مسلسل تبلیغ کی ہے۔ ایسی

ضروریاتِ دین جن کا تعلق عقیدہ یا مسئلہ سے ہوگا، ان کا انکار کھلا کفر و ارتداد ہے۔
ایمان کے دو اہم جزو ہیں۔ یعنی خدا کے ایک ہونے کی گواہی اور پیغمبر صاحب کے رسول ہونے کی شہادت۔ ان دونوں کے تحت تمام متواترات اور ضروریات، دین میں داخل ہیں، صرف تصدیق تو دجال بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کرے گا جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے اور قرآن کریم میں آنحضورؐ کے فیصلوں سے انقباض اور آپؐ کے فیصلوں کو نافذ و ناطق نہ ماننے پر ایمان کی نفی کی گئی ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ الخ.

ان احادیث و آیات کی روشنی میں قادیانی پر کفر کا فتویٰ بلا تامل جاری ہوگا اور جن لوگوں نے قادیانی کے کفر کے سلسلے میں توقف کیا وہ کوئی علمی تحقیق کی بنا پر نہیں؛ بلکہ یا تو انھیں ایمان سے کوئی تعلق نہیں یا ایمان و کفر کے فرق پر وہ مطلع نہیں۔ وہ جہل کی بنا پر اسے مسلمان سمجھتے ہیں، جو خود کو مسلمان کہے جیسا کہ بعض اپنے آپ کو سید یا شیخ کہتے ہیں یا وہ اپنے وطنوں کی طرف خود کو نسبت کرتے ہیں ایسا ہی انھوں نے اسے بھی مسلمان سمجھا جو اپنی نسبت اسلام کی طرف کرے۔ یہ شریعت کی پابندی خود بھی نہیں کرتے، ہر قید شریعت سے خود کو آزاد رکھتے ہیں۔

حافظا گر وصل خواہی ❁ صلح کن باخاص و عام
با مسلماں اللہ اللہ ❁ با برہمن رام رام

کچھ ایسے ہیں کہ انگریزی پڑھی وہی ان کا مشغلہ، شریعت اور اس کے احکام سے قطعاً ناواقف اور خود بھی اس کو جانتے ہیں تاہم شرعی امور میں دخل اندازی اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ جملہ فرقوں سے اتحاد ہونا چاہیے خواہ وہ ایمان کے سودے پر ہو، علماء کی گرفت کو تکفیر کا شوق قرار دیتے ہیں، یہ نہیں سمجھتے کہ اگر کسی کا کفر یقینی ہے تو پھر خاموشی روا نہیں۔ اگر اب بھی سکوت کیا گیا تو ایمان اور کفر کا التباس ہو

جائے گا، نہ ایمان ممتاز رہے گا نہ کفر کا گھناؤنا پن سامنے آئے گا، حالاں کہ فریضہ ہے کہ ایمان و کفر میں فرق کریں تاکہ صحیح ایمان کی دولت نصیب ہو۔

اس پر بھی تو توجہ نہیں کہ قادیانی نے اولاً سب کو کافر قرار دیا اور جو اس کو نبی نہ مانے انھیں اولاد زنا کہا۔ علماء نے تو اس کی بہت سی ہفوات پر بعد میں اس کے کفر کا فتویٰ دیا، وہ کروڑوں مسلمانوں کو کافر قرار دینے والا مجرم ہے یا وہ علماء جنھوں نے اس کے باطل دعوائے نبوت پر تکفیر کی۔

کہاں کروڑوں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی تکفیر بلاوجہ اور کہاں پچھتر ہزار پر فتویٰ کفر۔ شرعی بنیاد پر بتایا جائے کہ مجرم علمائے اسلام ہیں یا یہ ظالم قادیانی؟ یہ کہتا ہے کہ عیسیٰ کے احیائے موتیٰ والے معجزہ کو اولاً میں بھی عام مسلمانوں کی طرح معجزہ کہتا تھا، اب جب کہ مجھ پر یہ حقیقت کھلی تو عیسیٰ کا یہ معجزہ نہیں؛ بلکہ اس کا کفر و شرک سمجھتا ہوں۔ اس طرح میں کفر سے جانب ایمان میں آیا، عیاذاً باللہ! کس قدر کج فہم ہے کہ اپنے اس عقیدے کی بنا پر ایمان سے کفر کی جانب گیا اور بزعم خود مومن ہونے کا مدعی، ان تخیلات پر بھی علمائے اسلام اسے کافر نہ کہیں؟ کیا مسلمانوں کا ایمان و اسلام یہی رہ گیا ہے کہ اپنے ذاتی نقصان کو برداشت نہ کریں اور ایمان و دین لٹتا رہے اور یہ صلح کل کے مظاہرے میں مشغول رہیں۔ یہ تو وہی بات ہوگی جو حافظ شیرازی نے کہی کہ ؏

بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

یہ ایمان نہیں ہے کہ اپنے چھوٹے چھوٹے نقصان کا بھی احساس اور اس کا ماتم اور متاع دیں لٹ جائے تو نہ کوئی رنج اور نہ غم۔ قادیانیت کا ایک بازو، لاہوری فرقے کے نام سے شہرت رکھتا ہے یہ قادیانی کو مسیح موعود قرار دیتے ہیں اور اس کی نبوت کو ظلی و بروزی کہتے ہیں؛ اس لئے کچھ لوگوں کو لاہوری فرقے کی تکفیر میں تامل ہے، ان کا کہنا ہے کہ لاہوری غلام احمد کیلئے حقیقی نبوت کے قائل نہیں؛ بلکہ ظلی کے قائل ہیں، اس لئے

ان کی تکفیر نہ کی جائے۔ میں کہتا ہوں کہ دین میں ظلی و حقیقی کا کوئی فرق نہیں، یہ دور از کار تاویلات ہیں اور اس کی واضح علامت کہ یہ فرق کرنے والے عقل سے محروم ہیں۔ مسیلمہ کذاب کے متعلق اگر کوئی یہ کہے کہ اس نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا؛ بلکہ وہ محدث تھا تو کیا یہ دعویٰ قبول ہوگا؟ خدا کے بندو خود قادیانی اپنی نبوت کو اصل نبوت قرار دیتا ہے اور آپ اسے کفر سے بچانے کے لئے نبوت میں حقیقی وظلی کے ذریعہ فرق کرتے ہیں؟ یہی تو **توجیه القول بما لا یرضیٰ به قائله** ہے۔جنھوں نے قادیانی لٹریچر کا مطالعہ کیا خصوصاً خود غلام احمد کی تصانیف کو دیکھا، وہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے لئے اسی نبوت کا مدعی ہے، جس مفہوم کے ساتھ نبوت آسمانی کتابوں میں استعمال ہوئی، اپنی وحی کو قرآن کی ہم رتبہ بتاتا ہے، جو اس کی نبوت کے قائل نہیں انھیں کافر و اولاد زنا قرار دیتا ہے۔ظلی نبوت کے بارے میں کیا اتنے بلند بانگ دعوے ہو سکتے ہیں اور کیا کسی نبی نے انبیاء کی اتنی توہین کی جتنی کہ اس شقی قادیانی نے کی ہے؟ لاہوری فرقہ مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے، ان کی جدوجہد غلام احمد اور اس کے زمرے کو کفر سے بچانے کے لئے ہے۔ پنجابی دھوبی جب کپڑا دھوتے ہیں تو اسے پتھر یا لکڑی پر مارتے ہوئے کہتے ہیں ''ساڈا کی جاندے چھو'' یعنی ہمارا کیا نقصان ہے جو ہو رہا ہے ہونے دو، یہی روش اس لاہوری فرقے کی ہے کہ قادیانی متاع دین پر ڈاکہ ڈال رہا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ لٹنے دو ہمارا کیا نقصان، خدا کے بندو اگر دین سے ناواقف ہو اور اس کے تقاضوں سے ناواقفیت ہے تو اپنی جہالت کو تسلیم کرلو، مگر دوسروں کو تو گمراہ نہ کرو۔

ایک بات اور صاف کرنا چاہتا ہوں کہ تکفیر کے لئے ایک فرقے کو پابند کرنا اور دوسرے کو آزاد چھوڑ دینا نہ یہ علم ہے اور نہ ایمان، قادیانی حقیقی مسلمانوں کو کافر قرار دے اور بلا وجہ تو سناٹا رہے اور اگر ہم حقیقی و واقعی بنیادوں پر قادیانی کی تکفیر کریں تو ہنگامہ، پھر لاہوری فرقہ کیسے کفر سے بچے گا درآں حالیکہ وہ باطل کو حق کر کے دکھا رہا ہے

اور حق کو بصورت باطل پیش کر رہا ہے۔ قادیانی کا کفر بدیہی ہے بدیہیات میں مخالفت، ضد وہٹ دھرمی ہے، جسے نہ شرعاً قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ عقلاً، سوچو کہ کفار کے ساتھ جہاد کیوں ہوتا ہے؟ خود کفار کیا جہاد سے متعلق شبہات نہیں رکھتے؟ سب یہی جواب دیتے ہیں کہ جب حق واضح ہو گیا، تو شکوک وشبہات کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور قادیانی کی تکفیر میں تو کوئی شبہ بھی نہیں پھر جو کوئی تکفیر سے گریز کرتا ہے یا مبتلائے جہل ہے یا کسی طمع میں الجھا ہوا، ایک ناپاک ترین انسان کو مسیح موعود یا مہدی مسعود سمجھنا اور سمجھانا شریعت سے مذاق کرنا ہے، شریعت میں تحریف کفر ہے اور اس قادیانی نے تحریف در تحریف کی ہے، لاہوری خاموش ہو جائیں اہل ایمان خود فیصلہ کریں گے کہ قادیانی کافر ہے یا نہیں۔ قادیانی خود کو نبی کہتا ہے اپنی وحی کو مثل قرآن بتاتا ہے ان عقائد کے باوجود پھر اس کے کفر میں تردد کیا معنی رکھتا ہے؟

اسے بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ کسی کو نبی نہ ماننا لیکن اس کے لئے نبوت کی خصوصیات وممیّزات ثابت کرنا جیسا کہ یہ لاہوری کرتے ہیں کہ غلام احمد کو نبی بظاہر نہیں کہتے لیکن انبیاء کی صفات وخصوصیات اس کے لئے ثابت کرتے ہیں، کھلا کفر ہے۔ غلام احمد اپنے دو چیلوں کو ایک کو جبرئیل کہتا ہے اور دوسرے کو میکائیل اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ خبر مجھے جبرئیل نے دی ہے اور یہ میکائیل نے، یہ انبیاء کی نقل ہے اور مسیلمہ کذاب بھی اس میں مبتلا تھا۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ انبیاء کے ساتھ مذاق ہے یا واقعتاً اس کا دعویٰ کہ میرے پاس جبرئیل ومیکائیل آتے ہیں اور خبریں دیتے ہیں۔ اگر مذاق ہے تو بھی کفر اور دعویٰ ہے تو بھی کفر، جو اس مذاق کو جائز رکھتا ہو اور اس کے دعوے کو سچا جانتا ہو وہ بھی کافر۔ لاہوریوں سے پوچھا جائے کہ اگر کوئی بد باطن جس کے پاس نہ مال ہو اور نہ جاہ نہ چند متبعین اور وہ دعوائے مسیحیت کرے تو آپ اسے برملا کافر کہیں گے؛ لیکن اس قبیل کے دعوے جب غلام احمد قادیانی کرتا ہے تو

صرف آپ اس وجہ سے کہ اس کے پاس مال و متاع دنیا ہے اور کچھ جاہل اس کے اردگرد جمع ہو لئے تو اس کے مسیح موعود ہونے کے دعوے کو بلا تامل قبول کرتے ہیں، کیا شخصیتوں کے بدلنے سے مسئلے بدل جاتے ہیں کہ مفلوک الحال کافر اور آسودہ پکا مومن۔ انھیں معلوم نہیں کہ دجال اکبر کو قتل کرنے کے لئے عیسیٰ کو آسمان سے اسی لئے اتارا جائے گا کہ دجال عیسائیوں سے خود کو مسیح موعود تسلیم کرائے گا۔

میں خاتمہ پر قادیانیت کے تعفن کو دفعات کی شکل میں سمجھاتا ہوں تاکہ اس کا کفر آپ کی سمجھ میں آجائے:

(۱) قادیانی نے دعوائے نبوت کیا۔ (۲) اپنی وحی کو ہم رتبۂ قرآن قرار دیا۔

(۳) مستقل شریعت کا اعلان کیا۔ (۴) تمام انبیاء علیہم السلام کی توہین کی۔

(۵) انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات کو اپنے لئے ثابت کیا۔

(۶) انبیاء کی نقل بطور مذاق کی۔ (۷) ضروریاتِ دین کا انکار کیا۔

(۸) دین متواتر میں تحریف کی بلکہ شریعت کا مذاق بنایا۔

(۹) اپنے متبعین کے سوا جملہ مسلمانوں کو کافر کہا۔

(۱۰) قرآن کریم کی آیات جن میں آنحضور سے متعلقہ اطلاعات ہیں، ان سے متعلق دعویٰ کیا کہ ان آیات میں مراد میں ہوں۔

(۱۱) مریم صدیقہ کو زانیہ بتایا والعیاذ باللہ۔

ظاہر ہے کہ میری اس تقریر و تحریر کے مخاطب وہی ہیں جو ایمان کی حقیقت پر مطلع اور اپنے ایمان کو عزیز رکھتے ہیں اور جو ایمان و کفر میں فرق نہیں کرتے اور جن کا ایمان مصلحتوں کی نذر ہو جاتا ہے، ان سے گفتگو بے سود ہے۔

❀ ❀ ❀

آخری گزارش

میرے تلامذہ نے ایک انجمن بنام ''دعوت وارشاد'' پنجاب میں قائم کی ہے، جس سے وہ قادیانیت کا کامیاب تعاقب کر رہے ہیں، لاہور سے شائع ہونے والا اخبار ''زمین دار'' اس انجمن کی مصروفیات وجلیل کارناموں کی مسلسل خبریں دیتا ہے، میں درخواست کرتا ہوں کہ اس انجمن اور اخبار کی مسلمان ہر طرح مدد کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے تدریسی دور میں کم از کم دو ہزار طلبہ نے مجھ سے حدیث کے چند حرف پڑھے ہیں، ان تلامذۂ حدیث سے صرف اتنی گزارش کروں گا کہ خدا کے واسطے وہ تحفظ ختم نبوت کے لئے اپنی علمی وعملی توانائیاں صرف کر دیں۔ اگر اس محاذ پر انھوں نے کوتاہی کی تو میں حشر میں ان کا دامن گیر ہوں گا۔

مہاراجہ کشمیر کو بھی مطلع کرتا ہوں کہ تمام عالم اسلام قادیانیوں کے کفر پر متفق ہے، پھر قادیانیوں کو ریاست کے شعبوں میں برسر کار کرنا اسلام کے خلاف سازش ہے یا حقیقت سے ناواقفیت، کشمیری میرے بھائی قادیانیت سے خود کو محفوظ رکھیں۔ میری ان سے درخواست ہے کہ دین دے کر کفر نہ خریدیں۔ میں کچھ کتابوں کی نشاندہی کرتا ہوں جن کا مطالعہ قادیانیت کو سمجھنے کے لئے کار آمد اور کفر وایمان کے فرق پر اطلاع کے لئے ضروری ہے۔ میرا رسالہ ''اکفار الملحدین'' دیکھئے جس میں مَیں نے تکفیر کی تنقیح کی ہے اور منتشر جزئیات کے صحیح محمل بتائے ہیں۔

میرا دوسرا رسالہ ''عقیدۃ الاسلام'' ہے، جس میں میں نے حیات عیسیٰ پر ان دلائل کو جمع کر دیا، میرا خیال ہے کہ اتنا وافر ذخیرہ کہیں نہیں ملے گا۔ تیسرا رسالہ ''التصریح'' حضرت عیسیٰ کی حیات ونزول پر ستر احادیث کا مجموعہ ہے، جس میں

چالیس احادیث حسن، یا صحیح ہیں۔ آخر میں میں نے خاتم النبیین بزبان فارسی لکھی ہے، اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کو دلائل سے واضح کیا ہے اور غلام احمد کی تمام تحریفات کا شافی جواب دیا ہے۔

میں بوڑھا ہو چکا اور گوناگوں بیماریوں میں بتلا ہوں مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ مجمع عام میں حاضر ہوتا؛ لیکن ایک تڑپ مجھے دیوبند کی جامع مسجد میں لے آئی اور میں نے یہ گزارشات آپ کے سامنے رکھیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے۔

(آمین)

قادیانی وکیل کا استدلال اور شاہ صاحبؒ کی طرف سے جواب

قادیانی مختار نے کہا کہ ''تحذیر الناس'' میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی خاتم النبیین کے بعد نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔ اس پر فرمایا:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے الہامی مضمون میں آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر بہت قوی دلائل و براہین قائم کئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اثر ماثور کی گراں قدر علمی توجیہات بیان فرمائی ہیں۔ اس رسالہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جابجا نبی کریم ﷺ کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور مضمون ختم نبوت کا بدرجہ تواتر منقول ہونا اور اس کے منکر کا کافر ہونا بھی ثابت فرمایا ہے، پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے جج صاحب کو تحذیر الناس کے صفحہ نمبر دس کی عبارت پڑھ کر سنائی۔

اور فرمایا کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مناظرۂ عجیبہ'' جو اسی موضوع پر ہے نیز ''آبِ حیات، قاسم العلوم'' وغیرہ دیکھی جائیں۔

حضرت مولانا مرحوم نے حضور ﷺ کے لئے ایک دو نہیں بلکہ تین قسم کی خاتمیت

ثابت فرمائی ہے۔

(۱) بالذات: یعنی مرتبہ حضور کا خاتمیت ذاتی کا ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں اور دوسرے سب انبیاء کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ کے واسطے سے، جیسا کہ عالم اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے اور اس کے ذریعہ سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیائے ارضیہ متصف بالنور ہوتی ہیں۔

یہی حال وصف نبوت کا ہے۔ حضور ﷺ کو اسی وجہ سے سب سے پہلے نبوت ملی ہے اور آیت میثاق وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیۃ سے واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ جیسا کہ اس کے رسول ہیں، نبی الانبیاء بھی ہیں، تمام انبیاء کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم ﷺ کو ایک طرف۔ اور سب سے حضور ﷺ پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا اور آیت میں ثُمَّ جَآءَكُمْ فرما کر یہ بھی تصریح کر دی گئی کہ حضور ﷺ کا زمانۂ ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔

لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا صف بندی کر کے امام کا منتظر رہنا اور حضور ﷺ کا امامت کرنا بھی اس امر کی صراحت کرتا ہے۔ نیز آیت وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا الآیۃ میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اتقان میں ہے کہ ابن حبیب عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی پھر انبیائے بنی اسرئیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم النبیین علی الاطلاق کے دین کی نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا حضور ﷺ کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے اور اس سے فضیلت محمدیہ کو واشگاف کر دینا مقصود ہے، واضح ہو کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام، اسلام کا عقیدہ اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

(۲) خاتمیت زمانی: یعنی آپ کا زمانۂ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہ

السلام کے آخر میں ہے، آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ ہوگی۔ ساتویں جلد روح المعانی میں حضرت ابی ابن کعبؓ سے مرفوعاً مروی ہے: **بدیء بی الخلق و کنت آخرھم فی البعث** (مجھ سے پیدائش مخلوق کی ابتدا کی گئی؛ لیکن میری بعثت سب سے آخر میں ہوئی) اور حضرت ابو ہریرۃؓ سے بھی مرفوعاً مروی ہے: **کنت اوّل النبیین فی الخلق و آخرھم فی البعث** (میری پیدائش تمام انبیاء سے پہلے ہوئی اور بعثت سب کے بعد ہوئی۔)

(۳) حضرت مولانا نانوتویؒ نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے۔

''یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم جلوہ افروز ہوئے وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں'' اس کو بدلائل ثابت فرمایا ہے۔

(۲۴) قادیانی مختار نے کہا کہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی وقت ''عبیہ'' کی شرح مسلم منگوا کر جلد اوّل صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ مصر سے عبارت ذیل **وفی العبیّة قال مالکؒ بینما الناس قیام** پڑھ کر سنائی۔ عبیّہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے فرمایا درآں حالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لے گا اور یکا یک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔

غرض یہ کہ امام مالکؒ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ساری امت محمدیہ کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔

(۲۵) مختار قادیانی نے اعتراض کیا کہ علمائے بریلوی علمائے دیوبند پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں اور علمائے دیوبند علمائے بریلوی پر، اس پر شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

میں بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گزارش کرتا ہوں کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے۔ اہل سنت والجماعت اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے اور علمائے دیوبند و علمائے بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے، قانون کا

نہیں، چنانچہ فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی شبہ کی بنا پر کلمۂ کفر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ دیکھو ردالمحتار، بحرالرائق وغیرہ۔

(۲۶) فرمایا: وکیل قادیانی نے اعتراض کیا کہ بخاری میں تو بنی الاسلام علی خمس ہے، مطلب یہ تھا کہ تم اصول تکفیر اور دفعات پیش کر رہے ہو وہ کہاں ہے؟

میں نے کہا کہ مسلم شریف کی حدیث میں وبما جئت به بھی موجود ہے کہ ان سب امور کی تصدیق بھی ضروری ہے جو میں لے کر آیا ہوں۔

(۲۷) اس نے یہ بھی سوال کیا کہ نماز چھوڑنے والے کے لئے فقہاء کے یہاں کیا حکم ہے؟ میں نے کہا کہ تین فقہاء اس کو فاسق قرار دیتے ہیں اور ایک امام کافر، گویا اس کا اشارہ اس طرف تھا کہ حدیث میں تو فقد کفر آیا ہے۔

میں نے کہا کہ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ خدا چاہے تو بخش دے جس سے معلوم ہوا کہ کفر نہیں۔

(نتوکل علیه وبه نستعین)